محمد ارشد
چیف ایڈیٹر/ پروفیسر، شعبۂ اردو
دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی (علامہ اقبال کیمپس)، لاہور

مکتوباتِ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

This article presents unpublished letters of Dr. Muhammad Hamidullah.Muhammad Hamidullah's letters are purely of religious and academic nature. In his letters to Khadija Hashmi, he endorses the celebration of the EidMilad al-Nabi, and argues in its religious validity. His letter to Muhammad HasanAskari reveals that he mostly avoided translating his own works, originally in French, into Urdu or some other languages. In his letters to Mukhtaruddin Ahmad Arzoo he describes the location of the manuscripts of the works of the great scholars, and also provides some details of his scholarly achievements. His letter to Sayyid Muhammad MateenHashmi, unfolds his views on issues of Islamic jurisprudence. He also laments on the status of women in the Western society.

اس مقالے میں جدید دنیائے اسلام کے ممتاز عالم و سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۰۹-۲۰۰۲ء) کے غیر مطبوعہ مکاتیب کا ایک منتخب گلدستہ پیش کیا جا رہا ہے، جو انھوں نے کراچی میں مقیم اپنی ایک عزیزہ خدیجہ ہاشمی، پروفیسر محمد حسن عسکری، پروفیسر مختار الدین احمد آرزو، اور مولانا سید محمد متین ہاشمی کے نام تحریر کیے۔

ان مکاتیب کے ہر مجموعے کے آغاز میں مکتوب الیہ کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے، آخر میں مکتوبات میں مذکور اہم اعلام، اماکن اور کتب سے متعلق چند ضروری حواشی و تعلیقات تحریر کر دیے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مکتوبات کے اصل املاء کو برقرار رکھا گیا ہے البتہ جہاں کہیں کس لفظ کا املاء درست معلوم نہیں ہوا تو وہاں متن میں ہی معکوفتین [ ] میں اس کا مروجہ املاء درج کر دیا گیا ہے۔

سطور ذیل میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جو خطوط درج کیے جا رہے ہیں ان میں سے خدیجہ ہاشمی کے نام خطوط (نمبر شمار ۱، ۲) کی عکسی نقول پیر الٰہی بخش کالونی، کراچی میں مقیم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی عزیزہ خدیجہ دردانہ نے فراہم کیں۔ محمد حسن عسکری کے نام خط کی عکسی نقل ان کے برادرِ خرد حسن مثنّٰی صاحب (اسلام آباد) نے فراہم کی۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو کے نام خطوط کی عکسی نقول خود مکتوب الیہ مرحوم نے اپنی زندگی میں خاکسار مرتب کو عنایت کیں (۲۰۰۹ء)۔ مولانا سید محمد متین ہاشمی کے نام خطوط (اصلی) ان کے تلمیذ اور مرکز تحقیق، دیال سنگھ لائبریری (لاہور) میں ان کے رفیقِ کار حافظ محمد سعد اللہ (حال مدیر، شعبۂ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)، کے خاص لطف و عنایت سے دستیاب ہوئے۔

بنام خدیجہ ہاشمی

خدیجہ ہاشمی (ولادت ؛ وفات)، ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے ایک قریبی عزیز اور حیدر آباد کے معروف ادیب، مؤرخ اور مصنف نصیرالدین ہاشمی (۱۸۹۵۔۱۹۶۴ء)[۱] کی صاحبزادی ہیں، جو مملکتِ آصفیہ حیدر آباد دکن پر بھارتی قبضے کے بعد پاکستان ہجرت کر کے کراچی میں مقیم ہوئیں۔ خدیجہ ہاشمی خود بھی ایک عرصہ تک افسانہ و ناول نگاری میں مشغول رہیں۔[۲] وہ خاندان کے دیگر افراد کی طرح دینی مسائل و امور میں رہنمائی کے لیے بذریعہ مراسلت ڈاکٹر محمد حمیداللہ ہی سے رجوع کیا کرتی تھیں۔ ان کے استفسارات کے جواب میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے چند خطوط **معارف اسلامی** (مجلۂ کلیہ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد)، کے ڈاکٹر محمد حمیداللہ نمبر میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔[۳]

ذیل میں خدیجہ ہاشمی کے نام ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے جو دو مکتوبات درج کیے جا رہے ہیں وہ بعض دینی مسائل کے بارے میں انھیں کے استفسارات کے جواب میں ہیں۔ ان مکتوبات میں بعض فرعی کلامی مسائل خصوصاً زیارتِ قبور، میلادِ نبوی اور فاتحہ خوانی وغیرہ کے بارے میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ کا موقف سامنے آیا ہے۔

......☆☆......

(۱)

بسم اللہ

۱۷محرم، ۱۴۰۷ھ

عزیزہ خوش رہو۔

سلامِ مسنون۔ خیریت نامہ ملا، دلی مسرّت ہوئی۔ آپ کو دینی احکام سے دلچسپی ہے، اس سے بھی مسرّت ہوئی۔ آپ کے سوالات کے دو پہلو ہیں: کیا یہ تقریبیں منائیں؟ کیا ان میں فاتحہ پڑھ کر مٹھائی وغیرہ تقسیم کریں؟

۱: قبروں کی زیارت کرنا: یہ خود رسول اکرمؐ فرمایا کرتے تھے۔ [رسولِ اکرمؐ] کبھی قُبا جاتے کبھی جَبَلِ اُحد جاتے اور وہاں دفن صحابہؓ پر فاتحہ پڑھتے اور ان کے لیے دعا کرتے۔[۴] حتیٰ کہ اپنی کافر ماں[۵] کی قبر پر بھی جاتے اور روتے۔ حدیث میں ہے ایک مرتبہ اَبواء نامی مقام پر حضورؐ کو روتے ہوئے دیکھ کر بعض صحابہؓ نے جسارت کی اور وجہ پوچھی۔ حضورؐ نے فرمایا یہ میری ماں کی قبر ہے۔ میں نے اس کی زیارت کی اجازت مانگی جو اللہ نے دے دی۔ پھر میں نے اجازت مانگی کہ اس کی مغفرت کی دعا کروں۔ اللہ نے یہ اجازت نہ دی۔[۶] شب برأت میں خود رسول اللہؐ قبرستان جایا کرتے تھے۔[۷]

۲: قرآن میں ہے: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔[۸] (اپنے رب کی نعمت کا بیان کر)۔ کسی رسول کی بعثت سے بڑھ کر کسی قوم کے لیے کیا نعمت ہوگی۔ اور یہ بھی قرآن میں ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[۹] (اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر محبت سے صلات [صلوٰۃ] بھیجتے ہیں۔ اے ایمان لانے والو! تم بھی اس پر صلات [صلوٰۃ] اور سلام بھیجو)۔ یعنی خود اللہ اور فرشتے میلادِ نبیؐ مناتے ہیں اور اللہ ہی کا حکم ہے کہ مسلمان بھی ایسا کریں۔ میلاد کے جلسے میں رسول

اللہؐ کے حالات بیان ہوتے ہیں اور قرآن فرماتا ہے کہ وہ رسولؐ ہمارے لیے اُسوۂ حسنہ ہیں کہ ہم بھی آپؐ کی تقلید ہرامر میں کریں۔

۳: ظاہر ہے کہ جو لوگ رسولِ اکرمؐ کے بعد پیدا یا فوت ہوئے ان کے متعلق حدیث میں ذکر نہیں ملے گا۔ مگر اصول ایک ہی ہے۔ جو لوگ دین کی خدمت کرتے رہے ہیں ان کا اظہارِ شکر گزاری کرنا، ان کے حالات سننا اور بیان کرنا، ان کے لیے فاتحہ کرنا یعنی قرآن کی سورتیں پڑھنا اور درود بھی پڑھنا اور مٹھائی وغیرہ کو دوستوں یا رشتہ داروں اور غریبوں فقیروں میں تقسیم کرنا، یہ سب اچھی چیزیں ہیں۔ صرف ایک چیز منع ہے وہ یہ کہ ان بزرگوں سے کوئی چیز مانگیں۔ صرف یہ کرسکتے ہیں کہ مانگیں صرف اللہ سے، اور کہیں کے اے اللہ ان بزرگوں کی خاطر میری عرض میری دعا کو قبول کر۔

۴: مجھے معلوم نہ تھا کہ رجب میں امام جعفر صادقؒ کی فاتحہ کی جاتی ہے (وہ اچھے آدمی تھے)۔ رجب میں ہم شبِ معراج مناتے ہیں۔ امام حسنؓ کربلا سے بہت پہلے فوت ہو چکے تھے۔ محرّم کی پہلی کو حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تھی۔

غرض عام بزرگ ہوں یا خاندانی آباء واجداد، ان کی فاتحہ مذکورہ بالا طریقے سے کرنا اچھا ہی طریقہ ہے۔

خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو۔ سب کو سلام، نواب جان کو بھی سلام۔ معلوم نہیں بزمِ ادب کے مکان کے وقف کے متعلق انہیں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔

محمد حمید اللہ

......☆☆......

(۲)

4, Rue de Tournon,

Paris-6/ France

۵/شوال ۱۴۱۰ء

عزیزہ خوش رہو

سلام مسنون عید مبارک۔ آپ کا خط دوچار دن ہوئے ملا۔ مسرت کا باعث ہوا۔ خط پر آپ کی تاریخ ۱۵/مارچ ہے اور وہ اپریل کے اواخر میں پہنچا ہے۔

۱: اظہارِ محبت و ادب کے طریقے ہر فرد کے لیے الگ ہوتے ہیں اور خدا صرف نیت کو دیکھتا ہے۔ ایک حدیث میں بے شک ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا کہ میں گھر سے نکل کر تمہاری محفل میں آؤں تو بیٹھے رہو اٹھو نہیں۔[۱۰] رسول اللہ کے متعلق قرآن فرماتا ہے ''تیرا کردار بہت اعلیٰ ہے'' (وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ)[۱۱] آپؐ میں تواضع تھی۔ اس لیے ہم عصر بادشاہوں کی طرح برتاؤ نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن آپؐ کی وفات کے بعد ہم آپؐ کے ذکر کے وقت ادب سے کھڑے ہو جائیں تو میری ناچیز دانست میں تو اس میں کوئی حرج شرعی نقطۂ نظر سے نہیں۔ میں خود بھی وہی کرتا ہوں چاہے کسی وہابی کو پسند آئے یا نہیں۔ تشہد میں بیٹھنے کی وجہ یہ تھی بوڑھے بیمار بھی نماز کو آتے ہیں۔ شفقتِ نبوی تھی کہ رکعتوں کے ختم ہونے کے وقت سب کو بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔

۲: دنیوی، زمینی معنوں میں رسول اکرم فوت ہو چکے ہیں لیکن حدیث میں ہے: تم مجھ پر درود وسلام پڑھو تو خدا اس کی مجھے اطلاع دیتا ہے اور میں تمھارے لیے دعا کرتا ہوں (مرنے کے بعد)[۱۲] ایک حدیث میں ہے کہ یہ درود وسلام مجھے ہر پیر اور جمعرات کو پہنچائے جاتے ہیں۔[۱۳]

میں یارسول اللہ کہتا ہوں، 'یاغوث اعظم' سے احتراز کرتا ہوں، شفاعت رسول کی خصوصیت ہے۔

مودودی صاحب کے ترجمۂ قرآن میں بہ کثرت مقامات پر نظر آتا ہے[۱۴] کہ ان کو عربی نہیں آتی تھی (انٹرمیڈیٹ تک ان کی تعلیم ہوئی کسی دینی درس گاہ میں تعلیم نہیں پائی)[۱۵] مولانا عبدالقدیر مرحوم[۱۶] کو میں مودودی پر ترجیح دیتا ہوں۔

۳: آیت الکرسی اور قرآن کے آخری تین سورے پڑھا کیجیے خاص کر سونے سے پہلے، بستر ہیں۔

وہاں سب کو سلام۔

حمید اللہ

......☆☆☆☆............

بنام پروفیسر محمد حسن عسکری

پروفیسر محمد حسن عسکری ۵ نومبر ۱۹۱۹ء/۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ کو میرٹھ کے قصبے ''سراوہ'' میں پیدا ہوئے۔ بلند شہر کے مسلم اسکول سے پرائمری کا امتحان جبکہ ایک ہندو اسکول (ڈی اے انگلش سکول) سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء میں مسلم ہائی اسکول بلند شہر سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور دو سال بعد ۱۹۳۸ء میں میرٹھ کالج سے انٹرمیڈیٹ کیا۔ ۱۹۴۰ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے، اور ۱۹۴۲ء میں اسی کالج سے انگریزی ادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۳۹ء میں ہوا۔ جنگ عظیم دوم کے زمانے میں تقریباً دو سال محکمہ فوجی اطلاعات میں ملازمت کی (۱۹۴۳ء-۱۹۴۴ء)۔ ازاں بعد ایک قلیل عرصہ کے لیے اینگلو عربک کالج دہلی اور میرٹھ کالج میں تدریس سے وابستہ رہے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلے آئے۔ دو سال تک لاہور میں قیام کے بعد جولائی ۱۹۵۰ء میں کراچی چلے گئے اور اسلامیہ کالج میں انگریزی ادبیات کے استاد مقرر ہوگئے۔

محمد حسن عسکری کی اولین حیثیت ایک افسانہ نگار کی تھی۔[۱۷] وہ اپنی ادبی زندگی کے اولیں دور میں جدیدیت اور مغربیت کے علمبردار تھے۔ تاہم ۱۹۶۸ء تک وہ مغرب کی فکر کو رد کر کے پوری طرح مذہب و روحانیت کی طرف لوٹ آئے اور مسلم کلچر کے تحفظ اور اسلامی ادب کے نظریے کے علمبردار بن کر ابھرے۔ محمد حسن عسکری کی اس قلبِ ماہیت اور اسلام کی طرف مراجعت میں معروف فرانسیسی نومسلم عالم رینے گینوں (Rene Guenon) (۱۸۸۶ تا ۱۹۵۱ء) کی تحریروں کے مطالعہ نے اہم کردار ادا کیا۔ پروفیسر حسن عسکری اپنی ادبی وفکری زندگی کے دورِ ثانی میں، جو کم و بیش بیس سال پر محیط ہے، روایتی اسلام کے شارح و ترجمان بن گئے۔ چنانچہ اس دور کی ان کی تحریروں میں اسلام، تصوف اور روحانیت واخلاقیات کے مباحث کو اولیت و مرکزیت حاصل ہوگئی۔ مزید برآں جدیدیت یا مغربی تہذیب کی تنقید و تردید ان کی ادبی وفکری تحریروں کا خاصہ بن گئی۔[۱۸] اس دور میں وہ اشتراکی (کمیونسٹ) اور ترقی پسند ادیبوں سے معرکہ زن رہے۔[۱۹]

محمد حسن عسکری روایتی علماء میں سے مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء) کی فکر سے متاثر تھے۔ کراچی میں وہ مفتی محمد شفیع (۱۸۹۷۔۱۹۷۶ء) کے حلقۂ اثر میں شامل ہوگئے تھے۔ انھوں نے مفتی محمد شفیع کی کتاب **اسلام میں تقسیم دولت** اور مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب **الانتباھات المفیدہ عن الاشتباھات الجدیدہ** کا اردو سے انگریزی میں ترجمہ کیا جو بالترتیب Distribution of Wealth in Islam، اور Answer to Modernism کے نام سے ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئے۔ ان تراجم کے علاوہ انھوں نے دینی مدارس کے مدرسین اور طلبہ کو جدید مغربی افکار اور اس کی گمراہیوں سے روشناس کرانے کے لیے مفتی محمد تقی عثمانی کی فرمائش پر ایک کتاب **جدیدیت یا مغربی گمراھیوں کی تاریخ کا خاکہ** کے نام سے تصنیف کی[۲۰] جو چند سال دارالعلوم میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے طلبہ کو پڑھائی گئی۔[۲۱] مولانا تقی عثمانی کے الفاظ میں ”دینی مدارس کے علماء و طلباء کے لیے یہ کتاب نعمتِ غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ اس کے ذریعے جدید مغربی ذہن کا صحیح مطالعہ کر سکتے ہیں“۔[۲۲]

محمد حسن عسکری اپنی زندگی کے آخری دنوں میں مفتی محمد شفیع کی تفسیر **معارف القرآن** کے انگریزی ترجمے میں مشغول ہوئے۔ معارف القرآن کے ابھی سوا پارے کا ترجمہ (تفسیر کی پہلی جلد کا دو تہائی حصہ) ہی مکمل کر پائے تھے کہ ۱۸ جنوری ۱۹۷۸ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ تدفین دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں مفتی محمد شفیع کی قبر کے جوار میں ہوئی۔[۲۳]

پروفیسر حسن عسکری اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ

محمد حسن عسکری سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ربط نومسلم رومانوی عالم وصوفی میشل والسان (Michel Valsan) [اسلامی نام مصطفٰی عبدالعزیز] (۱۹۱۱ء تا ۱۹۷۴ء)، پیرس سے نکلنے والے روایت پسند مکتبِ فکر کے مجلّے **روایتی مطالعات** (Etudes Traditionelles) کے مدیر کے ذریعے سے ہوا۔ والسان اپنے مجلّے میں روایتی مطالعات میں محمد حسن عسکری کی تحریروں کو شائع کرتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حسن عسکری سے خط وکتابت شروع کی۔ جلد ہی یہ رابطہ گہری دوستی میں ڈھل گیا۔ محمد حمید اللہ نے ”روایت اور جدیدیت دنیائے پاک وہند میں“ کے موضوع پر حسن عسکری کے بعض اردو مضامین کا فرانسیسی میں ترجمہ (اور ان پر حواشی) بھی کیا جو میشل [مصطفٰی] والسان کے رسالے **روایتی مطالعات** میں شائع ہوتا رہا۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے کچھ مضامین کا حسن عسکری فرانسیسی سے اردو میں بھی ترجمہ کرتے رہے جن میں سے چند البلاغ (کراچی) میں چھپے اور کچھ **اورینٹل کالج میگزین** (لاہور) میں شائع ہوئے۔ ان میں سے اکثر مقالات عسکری کے بعد از وفات شائع ہونے والے دو جلدی مجموعے **مقالات محمد حسن عسکری** میں شائع ہو چکے ہیں۔[۲۴]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنے اس دیرینہ دوست کے جذبۂ اسلامیت سے بڑے متاثر تھے۔ پروفیسر حسن عسکری کی وفات پر انھوں نے مجلّہ **محراب** کے لیے جو تعزیتی شذرہ لکھا، اس میں اپنے تاثرات کا اظہار بایں الفاظ کیا:

”مرحوم اگرچہ تھے انگریزی ادب کے استاد مگر ”دیوانہ بہ کار خود ہوشیار“ انگریزی ادب میں بھی اسلامیت ڈھونڈھ نکالنے میں ناکام نہ رہے۔ اپنے شاگردوں سے بھی ایسے ہی عنوان پر مقالے لکھوایا کرتے تھے جس میں انگریزی ادب کا ہو یا کسی اور علم کا، اسلامی چیزوں سے ربط ضرور نکل آتا تھا۔ ان کے شاگرد ملکی بھی ہوتے تھے اور بیرونی ممالک سے آنے والے بھی اور ہر کوئی ان کی شفقت کا ثنا خوان رہتا پایا گیا۔ ان میں بڑی اپج تھی۔ ایک دن خط لکھ کر مجھے ششدر کر دیا کہ عملی نفسیات اور فائدہ بخش تحلیل نفسی

کے لیے ہمارے پرانے صوفیہ کے حالات و تالیفات میں بڑا اہم مواد ملتا ہے اور کہا کہ اس پر روز افزوں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مجھے قائل ہونا پڑا کہ ان کا خیال بہت درست ہے"۔ [۲۵ا]

محمد حسن عسکری بھی محمد حمیداللہ کے علم وفضل کے بڑے مداح تھے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی کے نام ایک خط میں رقمطراز ہیں:

"حمیداللہ صاحب نے ایک مضمون رسم الخط کے موضوع پر اور بھیج دیا ہے۔غضب کا مضمون ہے۔" [۲۵ب]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور محمد حسن عسکری کے مابین مختلف علمی و ادبی موضوعات و مسائل پر طویل مراسلت رہی۔ [۲۶] حسن عسکری کے نام محمد حمید اللہ کے غیر مطبوعہ مکتوبات کا ذخیرہ حسن عسکری کے برادر اصغر حسن مثنٰی (حال مقیم اسلام آباد) کے پاس محفوظ ہے۔ چند خطوط مجلّہ معیار (اسلام آباد) میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ [۲۷] حسن عسکری نے مفتی محمد شفیع کی تفسیر کا انگریزی میں ترجمے کا بیڑا اٹھایا تو وہ ترجمے سے متعلق مسائل کے بارے میں رہنمائی کے لیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے رجوع کرتے۔ چنانچہ اس دور میں دونوں کے مابین مراسلت کا موضوع زیادہ تر ترجمہ قرآن ہی رہا۔ [۲۸] حسن عسکری ترجمۂ قرآن کے مسائل پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے، جو خود قرآن مجید کا فرانسیسی میں ترجمہ کی خدمت انجام دے چکے تھے، اور مغربی زبانوں میں قرآن حکیم کے متن کے ترجمے کی مشکلات سے بخوبی آگاہ تھے، [۲۹] مشورے طلب کرتے رہے۔وہ ترجمے سے متعلق اپنے استفسارات انھیں لکھ بھیجتے، جواباً ڈاکٹر صاحب اپنی تحقیقات سے آگاہ فرماتے۔ [۳۰]

محمد حسن عسکری کے نام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا جو مکتوب ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے، وہ ان کے بعض فرانسیسی مضامین کے اردو ترجمے سے متعلق ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے محمد حسن عسکری ان کے فرانسیسی مضامین کا اردو ترجمہ کر کے شائع کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے خود اپنے بعض مضامین کے اردو میں ترجمے کا تقاضا کیا تھا، ذیل کا خط اسی کے جواب میں لکھا گیا۔

......☆☆......

استانبول

۲۹رمحرم ۱۳۸۶ھ

۳رصفر

محترمی زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ ملا۔ اے وقت تو خوش کہ وقت ماخوش کردی

ہوگا وہی جو خدا کو منظور ہے۔ والخیر فیما اختارہ اللہ۔ آپ زیادہ زحمت نہ فرمائیں۔ مجھے کیا عذر ہوسکتا ہے کہ میری کسی ناچیز تحریر کا اردو میں ترجمہ چھپے۔ البتہ دوسرے کام اتنے زیادہ ہیں کہ اپنی ہی چیزوں کے خود ترجمہ کرنے سے ذرا کتراتا ہوں۔ مجھے کرنا تو ترجمہ ان ساری زبانوں میں چاہیے جن میں کچھ ٹوٹی پھوٹی قلم فرسائی کرلیتا ہوں مگر اس طرح تو سارے نئے زیرتکمیل کام بند ہو جائیں گے۔

مضمون ''معتزلہ'' کے متعلق ڈاک کی سست خرامی پر افسوس ہے۔ تھوڑا سا اور انتظار فرمالیں اور کسی آئندہ خط میں مکرر اطلاع دیں تو ممنون ہوں گا۔ یہ یاد نہیں کہ رجسٹری سے بھیجا تھا یا نہیں۔ تجربہ تو یہ ہے کہ پاکستان میں بعض رجسٹر شدہ بستے بھی منزل مقصود کو نہیں پہنچتے جیسا کہ پروفیسر شفیع مرحوم [۳۱] کو ایک نادر کتاب بھیجنے کے سلسلے میں پیش آیا تھا۔ اِنَّمَا أشكو بَثّي و حُزني اِلى اللّٰه۔

بہر حال آپ کو مکرر نسخہ ضرور بھیجوں گا۔ ابھی دو ایک نسخے میرے پاس باقی ہونے چاہئیں۔ میں ان شاء اللہ چار پانچ دن میں پاریس[پیرس] (4, r. de Tournon) واپس ہو جاؤں گا۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

......☆☆☆☆......

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

پروفیسر مختارالدین احمد آرزو کی ولادت ۱۴ نومبر ۱۹۲۴ء کو پٹنہ میں ہوئی۔ ان کے والد ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری (م ۱۹۶۳ء)، جو مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں ہیئت اور حدیث کے استاد تھے، کا شمار ہندوستان کے مقتدر اور متبحر علماء میں سے ہوتا ہے۔ درسیات کی تمام ابتدائی کتابیں گھر پر اپنے والد اور دوسرے اساتذہ سے پڑھ کر مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مولوی سالِ اول میں براہ راست داخل ہوئے۔ اسی مدرسہ میں چھ سال تعلیم حاصل کر کے مولوی، عالم اور فاضل کے امتحانات مدرسہ اگزامینیشن بورڈ سے پاس کیے۔ بعد ازاں فاضل حدیث کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ مدرسے کی تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۴۱ء میں مسلم ہائی اسکول پٹنہ میں داخلہ لیا اور اگلے سال میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ آ گئے۔ ۱۹۴۵ء میں انٹر اور ۱۹۴۷ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۹ء میں ایم اے عربی کیا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لٹن لائبریری[موجودہ مولانا آزاد لائبریری] کے شعبۂ مخطوطات کے سربراہ مقرر کیے گئے۔ علامہ عبدالعزیز میمن کی نگرانی میں صدرالدین علی بن الحسین البصری کا **الحماسة البصریہ** مرتب کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی (۱۹۵۲ء) یہ کتاب دو جلدوں میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ۔ بعد ازاں یہ کتاب دار صادر بیروت سے بھی شائع ہوئی۔ وہ جنوری ۱۹۵۳ء میں شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی میں لیکچرر مقرر کئے گئے۔ اسی سال ایک سال کے لیے امریکہ کی راک فیلر فاؤنڈیشن کی فیلوشپ پر شرق اوسط اور انگلستان کا سفر کیا اور دو سال تک پروفیسر ہملٹن گب کی نگرانی میں تحقیق وتصنیف میں مصروف رہے۔ گب کی نگرانی میں ساتویں صدی کے شامی مصنف اور شاعر مسلم بن محمود الشیر زی کی ایک نادر تصنیف **جمهرة الاسلام ذات النشر والنظام** کی تنقیدی تحلیل ترتیب وتصحیح وتحشیہ (ایڈٹ) کر کے آکسفورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

پروفیسر مختارالدین ۱۹۵۸ء میں ادارۂ علوم اسلامیہ کے ریڈر مقرر ہوئے۔ جنوری ۱۹۶۸ء میں اس ادارے کے ناظم ، جبکہ اسی سال مئی کو عربی کے پروفیسر اور شعبۂ عربی کے سربراہ مقرر کیے گئے۔ شعبۂ اسلامیات سے وابستگی کے دوران میں ۱۹۶۰ء میں انھوں نے ایک تحقیقی مجلّہ **مجلۂ علوم اسلامیہ** کے نام سے اجرا کیا۔ ۱۴ نومبر ۱۹۸۴ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے لیکن ان کی علمی

خدمات کے اعتراف کے طور پر ان کی ملازمت میں چار سال کی توسیع کر دی گئی۔ ۱۹۸۸ء میں سبکدوشی کے بعد متعدد علمی اداروں سے منسلک رہے۔ وہ اپریل ۱۹۹۸ء میں پٹنہ میں قائم مولانا مظہرالحق عربی و فارسی یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے اور چھ سال تک اس منصب پر برقرار رہے(۱۹۹۸-۲۰۰۴ء)۔ وہ ۳۰ جون ۲۰۱۰ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

پروفیسر مختارالدین کے تخصص کا خاص میدان عربی زبان و ادب تھا۔ انھوں نے درجنوں نادر و نایاب عربی مخطوطے مرتب کر کے شائع کیے۔ عربی زبان و ادب میں ان کی وقیع اور گرانمایہ خدمات کا اعتراف عالم عرب میں بھی کیا گیا۔ چنانچہ عرب دنیا کے متعدد مشہور علمی مجلسوں اور اداروں کی رکنیت کا اعزاز انھیں حاصل ہوا، جن میں مجمع اللغۃ العربیۃ (سابق المجمع العلمی العربی) (دمشق)، مجمع اللغۃ العربیۃ الاردنی (عمان، اردن)، جمعیۃ العالمیۃ لاحیاء التراث الاسلامی (قاہرہ)، مؤسسۃ آل البیت للفکر الاسلامی (عمان، اردن)، بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔

عربی ادب کے ساتھ ساتھ انھیں اردو زبان و ادب سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ یونیورسٹی کی ملازمت کے ابتدائی دور میں انھوں نے فہرست مخطوطات ونوادر کتب خانۂ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۱۹۵۳ء) اور فہرست مخطوطات احسن مارہروی کلکشن (۱۹۵۵ء) مرتب کر کے شائع کیں۔ اردو کی متعدد گم گشتہ اور نادر کتابوں کے خطی نسخے ایڈٹ کر کے شائع کیے جن میں فضلی کی کربل کتھا (۱۹۶۵ء)، حیدر بخش حیدری کی تذکرۂ گلشنِ ھند اور مفتی صدرالدین آزردہ کا تذکرۂ شعرایے اردو (۱۹۷۰ء) بطور خاص قابل ذکر ہیں۔[۳۲]

ڈاکٹر محمد حمیداللہ سے مراسلت

مختارالدین احمد عربی ادبیات کے قدیم متون (غیر مطبوعہ) کی تلاش وجستجو میں رہتے تھے۔ چنانچہ فرانس، برطانیہ، آسٹریا، لائڈن اور ترکی کے کتب خانوں میں موجود مخطوطہ جات کے متعلق معلومات خصوصاً ان کے مائکروفلم کے حصول کے لیے اہل علم سے رجوع کرتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ان کی مکاتبت بھی زیادہ تر اسی حوالے سے تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بلا شبہہ اس میدان کے شہ سوار تھے۔ وہ نہ صرف ان ممالک میں موجود اسلامی آثارِ علمیہ کے ذخائر سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے احادیث و سیرت اور سیر و فقہ سے متعلق درجنوں اہم ترین متون دریافت کر کے ایڈٹ کیے اور ان کی طباعت و اشاعت کا ذریعہ بنے۔ مختارالدین احمد کے نام ان کے خطوط سیرت و سوانح اور عربی ادبیات سے متعلق قدیم عربی متون کے مخطوطہ جات اور ان کی تدوین و اشاعت سے متعلق معلومات پر مشتمل ہیں۔ ان خطوط میں مکتوب نگار نے اس میدان میں اپنی کارگزاریوں اور فتوحاتِ علمیہ کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن بڑے عجز و انکسار کے ساتھ کہ ان میں کسی فخر و تعلّی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ ان میں ایک خط عربی زبان میں ہے جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مختارالدین احمد کی طرف سے مراسلت کا آغاز عربی میں ہوا ہوگا۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے مختصر عربی مکتوب کی عبارت بڑی سادہ اور رواں ہے۔

......☆☆......

(۱)

باسمہ تعالیٰ

استانبول

۶؍جمادی الاوّل۴۷ھ

سلام مسنون!

ابھی ابھی آپ کا خط ملا۔ میں ان دنوں ترکی میں ہوں۔ پرسوں بروصہ جارہا ہوں۔ پاریس کوفبروری[کذا،فروری] کے آغاز سے قبل واپس نہ ہوسکوں گا۔

میں قوت الاسلام انجمن سے ناواقف ہوں اور نہ کسی سستے انتظام سے واقف ہوں۔ روزانہ ایک ڈیڑھ پونڈ قیام و طعام کے لیے ناگزیر ہے۔ میں مسند عبداللہ بن عمر سے واقف نہیں جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔

مخلص

محمد حمیداللہ

......☆☆......

(۲)

بسم الله

۳۳؍ا

۲۵ جمادى الآخره ۱٤۰۰ه

حضرة الاستاذ الفاضل حفظكم اللّٰه فى العاجل ولآجل

السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته

۳۳؍ب

وبعد فقد تسلّمتُ شاكراً بالبارحة العددين من مجلتكم الثمينة شرّفتمونى بها شرّفكم اللّٰه۔ هى مجلة علمية عالية المستوىٰ جديرة بصيت العِلم فى الهند۔ حفظها اللّٰه من بلاء الدنيا و مِحَنها۔

إذا كان لكم حاجة من ههنا فأنا دائماً تحت إشارتكم ولكن لا تخاطبونى من فضلكم باسمى لأسباب سوف لاتخفى عليكم، بل باسم الجمعية التى أنا من خدّامها۔ أى

Centre Culturel Islamique

4, Rue de Tournon, 75006-Paris/ France.

ويصل المكتوب دائماً الىّ باذن اللّٰه ودامتم سالمين فى أمانة اللّٰه

خادمكم

محمد حميداللّٰه

......☆☆......

(۳)

بسم اللہ

Centre Culturel Islamique,

4, Rude de Tournon,

75006-Paris/ France

شھر رجب ۱۴۰۰ھ

چہار شنبہ

محترمی زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ سرفراز کیا۔

۱: مجھے تیسرا سال ہے کہ ترکی نہیں بلایا گیا۔ مخطوطات کے عکوس یا مائکروفلم ملتے ہیں لیکن تھوڑی سی دفتریت کی جھنجٹ [کذا، جھنجھٹ] کے بعد۔ آپ کو اولاً ایک خط ڈائرکٹر جنرل آو لائبریریز، وزارتِ معارف، انقرہ کو خط لکھ کر اور تفصیل سے بتا کر کہ کن کتابوں کا فوٹو یا میکرو [کذا، مائکرو] فلم مطلوب ہے، اجازت مانگیں۔ ان کی اجازت حاصل ہو تو پھر استانبول یا انقرہ کے کتب خانہ ہائے عام General Kitapligi (استانبول میں محلّہ S˙u˙leymaniye میں) کے ڈائریکٹر جنرل کو فرمائش بھیجنی ہوگی۔ ان کے پاس سے مصارف کی اطلاع آئے تو وہ بھیج کر صبر کے ساتھ انتظار کرنا ہوگا۔ یہ آپ ہی سے متعلق نہیں، میں ترکی میں رہوں تو مجھے بھی وہی کرنا ہوتا ہے۔ بعض وقت وہ رقم کی جگہ فرمائش کنندہ کے ملک کے نادر مخطوطات کے فوٹو یا مائکروفلم سے بھی تبادلہ کرتے ہیں۔

۲: انساب الاشراف کی جامعہ عبرانیہ کے علاوہ میرے علم میں صرف جلد اوّل چھپی ہے جو آپ کے خادم ہی نے ایڈٹ کی تھی۔

۳: آپ کا پہلی بار کا ارسال کیا ہوا پارسل افسوس ہے کہ مجھے نہ ملا، ورنہ تب ہی رسید گزرانتا۔

۴: میں چونکہ یہاں پناہ گزین کی حیثیت سے ہوں، اس لیے افسوس ہے کہ آپ کے ملک کے کسی سرکاری ادارے سے نہ تعلق رکھ سکتا ہوں اور نہ خط و کتابت ہی کرسکتا ہوں۔

۵: ترکی میں ذیل کے پتے شاید کارآمد ہوں:

1-	Prof. Mehmed Hatipoglu	محمد خطیب اوغلو
2-	Prof. Ismail Cerrahoglu	اسماعیل جراح اوغلو
	c/o Ilahiyat Fak˙u˙ltesi, Ankara	کلیۂ الٰہیات

3-	Prof. Salih Tug	صالح طوغ
4-	Abdulkadir Kara Khan	عبدالقادر قرہ خاں
	C/o Edebiyat Fak˙u˙ltesi, Istanbul	کلیۂ ادبیات
5-	Prof. Yusuf Ziya Kavak¸ci	یوسف ضیا قاواق چی
6-	Dr. Ihsan S˙u˙reyya Serma	احسان ثریا صرما
	c/o Islami Ilimler Fak˙u˙ltesi, Erzurum	ارض روم

اور ان سے فرمائش کی جائے کہ ان کے ہاں کے رسالوں سے تبادلہ ہو اور تنقید و تقریظ کی جائے۔ فرانس کے Journal Asiatique، Revue des Etudes Islamiques اور Studia Islamica سے آپ واقف ہوں گے۔ ان سے راست تماس کرنا پڑے گا۔ مجھ اجنبی کی تنقید وہ نہ چھاپیں گے۔ جرمنی کے لیے Prof. Miss Schimmel, 42 Lennistr, Bonn مفید ہوسکتی ہیں۔ وہ امریکا اور جرمنی میں خریدار بھی شاید دلا سکیں گی۔

۶: شاذ و نادر ریپرنٹ ملتے ہیں۔ کسی فرصت میں کچھ میری چیزیں ملیں تو ان شاء اللہ آپ کو ارسال کروں گا۔

۷: آپ کے لیے کوئی مضمون لکھنا فرصت کا طالب ہے۔ فوری اس کی طرف توجہ ناممکن۔

خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

مخلص

م ح ا

......☆☆......

(۴)

پاریس، ۱۸ رجب ۱۴۰۰ھ

مخدوم و محترم زادفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قصور معاف، میری جہالت تھی کہ گزشتہ خط میں آپ کو غلط اطلاع دی۔ آج کتاب خانۂ عام میں تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ انساب الاشراف کی تین نئی جلدیں حال میں چھپی ہیں:

۱- القسم الثانی من انساب الاشراف (اعتنیٰ بنشرہ عبدالعزیز الدّوری)

Franz Steiner, Wiesbaden/ Germany

۲- انســـاب الاشــراف اولہ زبیر بن عبدالمطلب وحلف الفضول (اعتنی بنشرہ محمد باقر المحمودی، دارالتعارف للمطبوعات، بیروت ۱۹۷۴ء)۔

۳- ایضاً واُولہ الحسن بن علیؓ (اعتنیٰ بنشرہ محمد باقر المحمودی، دارالمعارف للمطبوعات، بیروت ۱۹۷۷ء) [۳۴]

آپ واقف ہوں گے کہ ایک ٹکڑا بہت عرصہ قبل آل وَرٹ نے بھی جرمنی میں چھاپا تھا۔[۳۵]

خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں گے۔

خادم نادم

محمد حمیداللہ

......☆☆......

(۵)

باسمہٖ تعالیٰ، حامداً و مصلیاً

Centre Culturel Islamique,

4, Rue de Tournon,

Paris. 6/ France

۹ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم وعم فیضکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گارودی صاحب نے آپ کا کرم نامہ ڈاک سے بھیجا ہے۔ممنون ومتشکّر ہوں۔

آں محترم کا پہلا سوال مبہم سا ہے۔ آپ کو صرف قدیم عربی متون کی اشاعت سے غرض ہے، یا میری ساری ہی عربی کارکردگی: کتب و مقالات کے متعلق معلومات درکار ہیں؟ آپ یقیناً میری الوثائق السیاسیۃ للعهد النبوی والخلافۃ الراشدۃ سے واقف ہوں گے۔ اس کا شاید پانچواں اڈیشن بیروت سے نکلا ہے۔ میں نے کتاب الانواء[فی مواسم العرب] لابن قتیبہ حیدرآباد دکن میں ۱۹۵۲ء میں چھپوائی۔ الذخائر والتحف للقاضی الرشید کویت میں ۱۹۵۹ء میں نکلی۔ محمد بن حبیب البغدادی کی کتاب المُحبّر کو میں اپنی طرف منسوب کرنے کا مجاز نہیں ہوں لیکن اس کا خاتمۃ الکلام میرے ہی نام سے ۱۹۴۲ء میں حیدرآباد میں چھپا ہے۔ میری ایڈٹ کردہ کتاب المعتمد لابی الحسین البصری المعتزلی جو ۱۹۶۴ء تا ۶۵[۱۹ء] میں دو جلدوں میں دمشق سے نکلی۔ سیرۃ ابن اسحاق (المبتداء والمبعث والمغازی) کا ایک جزء رباط (مراکش) میں شائع ہوا۔ حال میں ۱۹۸۹ء میں کتاب الردّۃ للواقدی بیروت میں چھپ کر فرانس سے شائع ہوئی۔

معدن الجواهر فی تاریخ البصرة والجزائر (جزائر الخلیج الفارسی) للشیخ نعمان بن محمد بن العراق ۱۹۷۲ء میں اسلام آباد میں چھپی ہے۔ کتاب الشعاعات للکِندی تونس کے مجلة العلم میں بالاقساط ۱۹۷۲ تا ۳۔۷ [۱۹]ء میں چھپی۔ کئی کتابوں کو دریافت میں نے کیا، لیکن اڈیٹ [کذا، ایڈٹ] غیروں نے کیا مثلاً احکام اھل الذمة لابن القیم، سنن سعید بن منصور (استادِ امام مسلم) وغیرہ۔ ان میں میرے نام سے تعارف کتاب ہیں۔ رسالتان لابن حبیب البغدادی کو مجلة المجمع العلمی العراقی کے رسالے میں شائع کیا۔

تلاش محنت طلب کام ہے اور وقت کا کال ہے۔ معذرت چاہنے کے سوا کچھ چارہ نہیں۔ میرے مسکن میں عام کتابوں ہی کے لیے جگہ باقی نہیں۔ اپنی کتابوں کے زائد نسخوں کا اسٹاک ناممکن ہے۔

جب تک وطن میں رہا، استاد مرحوم مناظر احسن گیلانی سے روز ملاقات ہوتی تھی، خطوط کا سوال نہیں تھا۔ بعد میں سیاسی وجوہ مانع ہوئے کہ ان کو خط لکھ سکوں۔ ان کا کوئی خط یہاں پاس نہیں ہے۔

فخر الدین علی احمد مرحوم کی یادگار کتاب[۳۶] کے لیے وعدہ نہیں کرسکتا ایک عنوان ضرور ذہن میں ہے وہ رامائنا (رام چند وسیتا وراون اور حضرت ابراہیمؑ وحضرت ہاجرہ وفرعون مصر کے قصوں کی مشابہت۔ اُس پر فرانسیسی میں کام کررہا ہوں۔ الامر بیداللّٰہ)۔ براہِ کرم میرے نام سے خط نہ لکھیں صرف انجمن کا نام و پتہ ہو۔ فی امان اللّٰہ۔

محمد حمیداللّٰہ

[پسِ نوشت]

صحیفہ ھمام بن منبّہ سے آپ واقف ہیں۔ ایک مماثل اور اہم تر چیز کتاب السَّرد والفرد ہے جس میں نصف درجن صحابہؓ کی [کذا، کے] رسالے ہیں۔ یہ کتاب استانبول میں ملی اور اسے اسلام آباد کی ہجرة کاونسل نے چھاپی [پا] ہے۔ ابھی یہاں آئی تو نہیں ہے لیکن چھپ گئی ہے۔ اطلاع آئی ہے کہ جلد بندی ہورہی ہے۔ عربی رسالچے بھی متعدد ہیں۔

آپ کی فرمائش پر جو سر آنکھوں پر ہے، یہ لکھ رہا ہوں، ورنہ میں کیا اور میری اہمیتِ علمی کیا؟

محمد حمیداللّٰہ

......☆☆......

بنام مولانا سیّد محمد متین ہاشمی

مولانا سید محمد متین ہاشمی شمالی اتر پردیش (یو پی) کے شہر غازی پور میں ۵ جولائی ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم غازی پور کے مدرسہ دینیہ سے حاصل کی۔ تکمیل دارالعلوم دیو بند سے کی۔ دیوبند میں مولانا سید حسین احمد مدنی (۱۲۹۶-۱۳۷۷ھ/ ۱۸۷۹-۱۹۵۷ء) کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی (۱۲۹۹-۱۳۷۴ھ) سے عربی ادب کی تحصیل کی۔ ۱۹۴۶ء میں دیوبند سے تکمیل پر اپنے وطن غازی پور لوٹ آئے۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی (۱۲۰۸-۱۳۱۳ھ) کے خلیفہ شاہ عبدالرحیم نقشبندی سے بیعت ہوئے اور سلوک کی منازل ان کے خلیفہ مولوی محمد فاروق کی نگرانی میں طے کیں۔

مولانا سید محمد متین ہاشمی نے نجی طور پر انگریزی تعلیم کی تحصیل بھی کی۔ انھوں نے الہ آباد بورڈ سے میٹرک اور ایف اے کے امتحان پاس کیے۔ الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں غازی پور کے قصبہ یوسف پور میں حکیم عبدالوہاب انصاری معروف بہ حکیم نابینا (م ۱۹۴۱ء) کے قائم کردہ مدرسہ ''مدرسہ انصاریہ'' میں تدریسی خدمات انجام دیں اور ساتھ ساتھ حکیم محمد حسن انصاری سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ یوسف پور کے زمانۂ قیام میں جمعیت علماے ہند کے ترجمان روزنامہ **الجمعیۃ** (دہلی) کے لیے مضمون نگاری کرتے رہے۔ وہ کچھ عرصہ غازی پور میں چشمۂ رحمت اورینٹل کالج میں بھی تدریس سے وابستہ رہے۔ ۱۹۵۱ء میں مدرسہ انصاریہ کی ملازمت ترک کر کے دہلی چلے گئے اور اردو اخبار **نئی دنیا** سے بطور نائب مدیر وابستہ ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں بنگال کے علاقہ سید پور چلے گئے اور ایک مسلم اسکول میں عربی کے مدرس ہو گئے۔ بعد ازاں اسی شہر میں انھوں نے قائد اعظم اردو کالج کے نام سے ایک کالج اور جامعہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ وہ درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں مشغولیت کے ساتھ ساتھ ملی سیاست میں بھی سرگرم رہے۔ چودھری محمد علی (۱۹۰۵-۱۹۸۰ء) جو بعد ازاں پاکستان کے چوتھے وزیر اعظم ہوئے (۱۲ اگست ۱۹۵۵-۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء)، کی سیاسی جماعت نظام اسلام پارٹی سے منسلک رہے۔ انھیں شمالی بنگال میں جماعت کا صدر مقرر کیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں استاد ہو کر جامعہ محمدی (محمدی شریف، ضلع چنیوٹ، مغربی پاکستان) چلے آئے اور ایک سال تک تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۱۹۷۰ء میں بنگالی قوم پرستوں کے خلاف میدان سیاست میں معرکہ زن ہوئے۔ انھوں نے بنگالی قومیت پرستوں کے خلاف دینی قوتوں کو متحرک کرنے میں سرگرم کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۱ء میں جب ملکی حالات نہایت مخدوش ہو گئے تو اہل و عیال کو مغربی پاکستان بھیج دیا اور خود البدر اور الشمس کے شانہ بشانہ بنگالی علیحدگی پسندوں کے خلاف مسلح جدو جہد کا آغاز کیا۔ سقوط ڈھاکہ (۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء) کے بعد علیحدگی پسند عسکری تنظیم مکتی باہنی نے ان کے سر کی قیمت مقرر کی تو اہل خانہ وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ مولانا ہاشمی ہندوستان سے نیپال اور وہاں سے بنکاک کے راستے کراچی پہنچے (۱۹۷۲ء)۔ اسی سال لاہور چلے آئے۔ بعد ازاں جھنگ کے مدرسہ جامعہ محمدی سے شیخ الجامعہ کی حیثیت سے تقریباً اڑھائی سال تک وابستہ رہے (۱۹۷۲-۱۹۷۴ء)۔ جامعہ محمدی میں تدریس حدیث کی خدمت بھی انجام دیتے رہے (۵۲ ج)۔ ۱۹۷۴ء میں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور کے زیر اہتمام ایک ریسرچ سیل (مرکز تحقیق) قائم ہوا تو انھیں مشیر تحقیق مقرر کیا گیا (دسمبر ۱۹۷۴ء)۔ ۱۹۸۳ء میں وہ اس مرکز کے ناظم مقرر ہوئے اور اپنی وفات ۱۰ جنوری ۱۹۹۲ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ مرکزِ تحقیق کے زیر اہتمام انھوں نے ۱۹۸۳ء میں ایک علمی و تحقیقی مجلّہ منہاج کے نام سے جاری کیا جو دس سال تک ان کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔[۳۷]

جنرل محمد ضیاء الحق کے دور حکومت میں مولانا سید ہاشمی نے نے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے علمی و فکری محاذ پر بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن (۱۹۸۴ء - ۱۹۸۹ء) کے بطور انھوں نے قانونِ شہادت، نظام معیشت اور بلا سود بنکاری سے متعلق سفارشات کی تیاری میں نہایت فعال کردار ادا کیا۔[۳۸] سید متین ہاشمی بنیادی طور پر ایک صوفی با صفا، مدرس، واعظ اور داعی و مبلغ تھے۔ عامۃ الناس کے افادہ کے لیے ان کے درس قرآن و حدیث کا سلسلہ مشرقی پاکستان میں کئی سال تک جاری رہا۔ لاہور میں قیام کے دوران میں وہ شہر کی مختلف مساجد میں قرآن حکیم اور حدیث شریف کے علاوہ شاہ ولی اللہ کی معروف تصنیف **حجۃ اللہ البالغہ** کا درس زندگی کے آخری ایام تک دیتے رہے۔ درس قرآن میں وہ بالعموم قرآن حکیم کی آخری سورتوں کی تفسیر و تشریح بیان کرتے تھے۔ وہ فلسفہ قرآنی کے بیان سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے

بیان سے تو انھیں خاص شغف تھا۔[۳۹] سید ہاشمی شاہ ولی اللہ کے افکار و تعلیمات سے بڑے متاثر تھے۔ انھوں نے مغربی پاکستان ہجرت کے بعد شاہ ولی اللہ کے افکار و تعلیمات کی اشاعت کے لیے تحریک ولی اللہی قائم کی ۔[۴۰]

مولانا سید محمد متین ہاشمی تفسیر و فقہ کے ماہر اور حدیث و سیرت کے متخصص تھے ۔تفسیر،فقہ و قانون، سیرت و سوانح، تصوف اور ملی مسائل جیسے موضوعات پر تقریباً دو درجن کتب و رسائل ان کی یادگار ہیں۔ انھوں نے متعدد عربی و فارسی کتب کے اردو میں تراجم بھی کیے جو ان کی زندگی ہی میں متعدد بار شائع ہوئے۔ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) **آخری سورتوں کی تفسیر** (سورۃ الفاتحہ اور سورۃ والضحیٰ تا والناس ۲۳ سورتوں کی تفسیر) (لاہور: کتب خانہ شانِ اسلام، ۱۳۹۹ھ)؛ اسے تحریک ولی اللہی پاکستان نے بھی متعدد بار شائع کیا ہے(چھٹا ایڈیشن ،لاہور۱۹۹۱ء؛ دسواں ایڈیشن ۱۹۹۹ء)؛ (۲) **اسلام کا قانونِ شہادت** (لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۱۹۸۱ء)؛ (۳) **اسلامی حدود** (لاہور: کتب خانہ شانِ اسلام، ۱۳۹۸ھ)؛ (۴) **اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ** (لاہور: دیال سنگھ لائبریری، ۱۹۷۷ء)؛ (۵) **تفسیر سورۂ یاسین شریف** (لاہور: مکہ بکس، ۱۹۹۰ء)؛ (۶) **سیدِ ہجویر: سوانح و تعلیمات** (لاہور: مرکزِ معارفِ اولیاء، ۱۹۸۵ء)؛ (۷) **اسلامی نظامِ عدل کا نفاذ، مشکلات اور ان کا حل** (لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،۱۹۸۲ء، بار دوم ۲۰۰۸ء؛ انگریزی ترجمہ: Islamic Justice (لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، س۔ن۔)؛ (۸) **دو قومی نظریہ** (لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،۱۹۸۲ء)؛ (۹) **نظام عشر کی برکات** (لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،۱۹۸۲ء)؛ (۱۰) **فہرستِ مخطوطات، ۵ جلدیں** (لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۱۹۷۹ء)؛ (۱۱) **روشنی** (فہم قرآن اور سیرت النبی پر نشری تقریروں کا مجموعہ)،۲ جلدیں(لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۱ء)؛ (۱۲) **افاداتِ ہاشمی** (مرتبہ: محمد اقبال رانا)، مجموعہ مضامین و مقالات(لاہور: اقبال پبلشنگ کمپنی، ۲۰۰۰ء)؛ (۱۳) **تحریک جامعہ محمدی: فکر و فلسفہ** (جھنگ: شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ محمدی شریف،۱۹۷۳ء)۔

متعدد عربی و فارسی کتب کے تراجم وشروح بھی ان کی یادگار ہیں: (۱) **الشفا بتعریف حقوق مصطفیٰ** (قاضی ابن عیاض اندلسی) (پنڈی بھٹیاں، گوجرانوالہ: انجمنِ اصلاح المسلمین،۱۹۸۳ء)، دو جلدیں؛ (۲) **سطعات** (شاہ ولی اللہ دہلوی)(ترجمہ وتحشیہ) (لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۷۶ء)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے مراسلت

جنرل محمد ضیاء الحق کے دورِ حکومت (جولائی ۱۹۷۷۔ اگست ۱۹۸۸ء) میں ریاست و معاشرہ اور اقتصادیات کی اسلامی تشکیل کا غلغلہ بلند ہوا تو مولانا سید متین ہاشمی نے اس کو قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ اس دور میں انھوں نے اہم معاشرتی، عدالتی وقانونی اور معاشی مسائل کو موضوع بحث وتحقیق بنایا۔ انھوں نے مرکزِ تحقیق (دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری) کے زیرِ اہتمام ان موضوعات و مسائل پر درجنوں کتب شائع کرنے کے علاوہ مجلّہ **منہاج** کی خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا۔جن میں اجتہاد نمبر، اسلامی معیشت نمبر، حیثیتِ نسواں نمبر وغیرہ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔مولانا سید محمد متین ہاشمی کی طرف سے یہ خصوصی اشاعتیں جن اہل علم کو ارسال کی گئیں ان میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی شامل ہیں۔مولانا محمد متین ہاشمی کے نام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے دونوں خطوط اسی سلسلہ کی

کڑی ہیں۔مکتوب اول میں انھون نے منہاج کے اجتہاد نمبر پر اپنے ملاحظات رقم کیے ہیں ساتھ ہی اجتہاد، اجماع جیسے مسائل پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس مکتوب سے شوروی اجتہاد اور دورِ جدید میں اجماع کے انعقاد نیز نسخ القرآن بالسنۃ جیسے مسائل سے متعلق ان کا نقطۂ نظر بھی آشکارا ہوا ہے۔جبکہ مکتوب دوم مجلّہ ٔ منہاج کے حیثیت نسواں نمبر سے متعلق ہے۔اس میں انھوں نے مغرب میں صنفِ نازک کی حالت زار کی طرف بڑے بلیغ انداز میں اشارہ کیا ہے۔

(۱)

باسمہ تعالیٰ

4, Rue de Tournon,

Paris/ France

75006

۲؍رجب ۱۴۰۳ھ، روز شنبہ

محترمی زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے منہاج کے ''اجتہاد نمبر''[۴۱] سے میری عزت افزائی فرمائی ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ طباعت بہترین ہے اگرچہ میری تمنا تو یہ ہے کہ آپ کو عہد حجری (لیتھو) سے ترقی کر کے عہدِ فولادی اور الکٹرونی تک پہنچنا چاہیے۔

مضامین سے استفادہ کیا۔ ہیں مختلف معیار کے لیکن آپ ان کو سوچنے کے راستے پر لگا رہے ہیں۔آپ کو اجر ملے گا اور شاید ان کو راستہ بشرطیکہ وہ سیکھنے اور اپنی اصلاح کرنے کو آمادہ رہیں اور تنقید کو ذاتی حملہ نہ سمجھیں۔ یہاں کچھ اصلاح طلب امور کا ذکر کرتا ہوں:

ص۱۹ سطر۱۱: وجودِ نامی [یعنی نمو پذیر] اور organism یعنی اعضاء کی تنظیم مجھے ایک چیز نہیں معلوم ہوتے۔آخرالذکر میں ضروری نہیں کہ نمو پذیری بھی ہو۔

ص۲۱ حاشیہ۴: سہوِطباعت سے بے محل ہوگیا ہے۔

ص۲۲/۱۰: انگریزی جملہ ناتمام چھپا ہے۔

۴۰/کوکلپ؛ ۵/۵۴ گوکلب۔صحیح ترکی نام گیوک آلپ ہے۔

۱۰/۴۱: ہرگروں ژے Hurgronue کا ہالینڈی تلفظ ہُورخرو ینے Hurgronje ہوتا ہے۔

۱۵/۴۴۔ کیا الجزائر اور الجیریا دو الگ چیزیں ہیں؟

۴۷ و مابعد میں اجماع کا ذکر ہے۔ ہر پرانی چیز بیکار نہیں ہوتی۔صاحبِ مقالہ امام بزدوی کی کتاب اصول الفقہ میں اجماع کا باب پڑھیں تو فکرافزا چیزیں پائیں گے۔

۵۳ وغیرہ میں اجماع کے لیے مجلسِ مشاورت کا کئی لوگ ذکر کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے اسلام آباد میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ دنیاے اسلام کے چوٹی کے فقہاء ہفتے عشرے کے لیے کسی کانفرنس کی شرکت کے لیے آسکتے ہیں لیکن کام تاحیات کرنے کا

ہے اور وہ ان کے لیے ناقابلِ عمل ہے۔ ایک عملی تدبیر (جو عالمگیر بھی ہو اور اسلامی و غیر اسلامی دونوں قسم کے ملکوں میں مقیم مسلمان اہلِ علم سے ذاتی استفادے کا موقع دیتی ہو)، اس ناچیز نے ۱۹۵۸ء میں رسالہ چـــراغِ راہ، کراچی، جلد۱۲، عدد۷، ص۲۷۴ تا ۲۷۵ میں مختصراً پیش کی ہے۔ اگر مفید معلوم ہو تو اس کو مکرر چھاپ کر اس کی طرح [کذا، طرف] مکرر توجہ منعطف کرائی جاسکتی ہے۔[۴۲]

۳/۵۹: guadfroy demombyne ِs تکلیف دہ ہے۔ اولاً G اور D بڑے حرف ہونے چاہئیں دوسرے درمیانی نام Gaudefroy ہے، پہلے اے، پھر یو۔ آخری جزء نام میں آخری حرف بڑا ایس اور لفظ سے الگ بھی طباعتی فروگزاشت ہے۔ سطر۱۴ میں گاڑ نہیں گود لکھیے۔ اسی صفحے کے حاشیہ نمبرا میں ناشر کمپنی کا نام بھی غلط چھپا ہے۔ Allen-Unwin

۱۲/۶۱-۱۵ میں اصرار کہ ہر چیز قرآن مجید میں ہے پھر ۶۱/۶۳ میں اپنے آپ کی تردید کہ میری آپ کی رائے میں نہیں بلکہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق یہ ممکن ہے کہ بعض چیزیں قرآن میں نہ ملیں اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر اجتہاد کی کیا ضرورت ہو؟

۶/۶۱ میں املا، صراحتہً ، اور ۱/۸۴ میں صراحتاً — دونوں ہی غلط ہیں۔ صراحۃً (صراحةً) لکھتے ہیں

۳/۶۴ کے لیے ص۴۷ کے متعلق دی ہوئی میری عرض کی طرف توجہ منعطف کراتا ہوں۔ اجماع اٹل چیز نہیں ہے، ایسے اجماع پر اجماعِ امت نہیں ہے۔ بَزدَوی کے مطابق اجماعِ جدید سے اجماعِ قدیم منسوخ ہوسکتا ہے۔ یعنی پرانے اجماع کے خلاف اولاً ایک عالم ''بغاوت'' کرے گا، پھر رفتہ رفتہ دوسرے عالم بھی اس سے متفق ہوتے جائیں گے!

۱۶۲ و مابعد والے مقالہ نگار سے عرض کروں گا کہ جو لوگ ائمہ اربعہ کے خیالات کو بھی فرسودہ سمجھ کر جدید اجتہاد کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے کسی عدالت کے ایک فیصلے کو قـــــرآن کی طرح اٹل نہیں سمجھنا چاہیے۔ تصویر کی غیر ضروری قسموں کو جائز قرار دینے والے مجتہد حضرت سلیمانؑ سے استدلال نہیں کرسکتے جب کہ انؑ کے بعد کے آخری نبیؐ نے پرانے عمل کو منسوخ کیا ہو، قولاً بھی اور فعلاً بھی۔ حضور اکرمؐ اپنی بیوی بچوں کے کمروں میں نہیں جاتے ہیں اگر ان پر باتصویر پردہ ہو۔ گدّا اور فرش میں اور پردے وغیرہ میں خود حضورؐ نے فرق فرمایا ہے۔ صفحہ ۱۷۰/۵ میں بخاری کی کتاب الامثالات کا حوالہ ہے۔ ایسی کوئی چیز پائی نہیں جاتی۔ متعلقہ حدیثیں صحیح بخاری کی کتاب اللباس اور کتاب الادب وغیرہ میں ہیں۔

۹/۲۹۳ ''نسخ القرآن بالسنّہ'' کو ردّ کرنا غلط فہمی ہے۔ ایک نئی وحی سے دوسری پرانی وحی منسوخ ہوسکتی ہے اور رسول کی زندگی میں یہ ممکن ہے کہ نئی وحی غیر متلو ہو یعنی اسے قرآن میں داخل نہ کیا گیا ہے (وما ینطق عن الھویٰ)۔ اس کی مثالیں موجود ہیں۔ خیال فرمایئے: عہدِ نبوی میں ایک شخص حضور اکرمؐ سے مخاطب ہوکر کہے: ''یہ تو قـــرآن ہے، قبول کرتا ہوں۔ یہ تیری حدیث اور سنت ہے، وہ میرے لیے واجب نہیں''۔ کیا حضرت عمرؓ تلوار کھینچ کر نہیں فرمائیں گے کہ ''یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ اس منافق یا مرتد کا سر قلم کردوں''؟

قصور معاف۔ آپ ہی کے حسبِ ارشاد جسارت کی ہے کہ ذہن میں گزرنے والی چیزوں پر آپ کی ادب سے توجہ منعطف کراؤں۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

......☆☆......

(۲)

باسمہ تعالیٰ

4, Rue de Tournon,

Paris-6/ France

پاریس ۵ر رمضان ۱۴۰۵ھ

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج منہاج کی خصوصی اشاعت، ''حیثیت نسواں نمبر'' [۴۳] کے تینوں شمارے ایک ساتھ پہنچے۔ سرفراز بھی ہوا ممنون بھی۔

اس کے حصۂ اول کا آخر[ی] مضمون ''عورت کی حالتِ زار'' پڑھ کر آہ نکلی۔ کاش یہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ لندن ٹائمز کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ فرنگی عورت اب بھی فرشتہ صفت ہے۔ میرے ماحول نے تو مجھ پر یہ تاثر نہیں پیدا کیا۔ ''جوانی دیوانی'' پڑھتا تھا، اس کو سمجھا مغرب میں رہ کر۔ مگر آپ کی نیت اچھی ہے، خدا جر [کذا، اجر] دے۔

مکرر دلی شکریہ

نیاز مند

محمد حمید اللہ

......☆☆......

حواشی وتعلیقات

۱۔ نصیر الدین ہاشمی کا شمار دولت آصفیہ حیدر آباد دکن کے معروف مصنفینِ اردو میں سے ہوتا ہے۔ ان سے حیدر آباد دکن میں اردو وزبان وادب، مملکتِ آصفیہ میں تعلیم، تذکرہ وسوانح اور دیگر مختلف ومتنوع موضوعات پر ۲۶ کتب (۲۴ مطبوعہ اور ۲ غیر مطبوعہ) یادگار ہیں۔ وہ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد (تاسیس ۱۹۳۴ء) کے بانیوں میں سے تھے۔ وہ اس ادارے کی مجلسِ انتظامی کے علاوہ اس کے شعبۂ شعراء ومصنفین دکن اور شعبۂ تنقید کے رکن بھی تھے۔ ان کی مطبوعہ تالیفات حسب ذیل ہیں: **(۱) دکن میں اردو (۱۹۲۳ء)؛ (۲) نجم الثاقب (۱۹۲۴ء)؛ (۳) رہبرِ سفرِ یورپ (۱۹۲۴ء)؛ (۴) یورپ میں دکنی مخطوطات (۱۹۳۲ء)؛ (۵) ذکرِ نبی (۱۹۲۴ء)؛ (۶) حضرت امجد کی شاعری (۱۹۳۴ء)؛ (۷) خواتینِ عہدِ عثمانی (۱۹۳۶ء)؛ (۸) خیابانِ نسواں (۱۹۳۸ء)؛ (۹) مدراس میں اردو (۱۹۳۸ء)؛ (۱۰) مقالاتِ ہاشمی (۱۹۳۹ء)؛ (۱۱) خواتینِ دکن کی اردو خدمات (۱۹۴۰ء)؛ (۱۲) قلم نما (۱۹۴۰ء)؛ (۱۳) تذکرۂ دارالعلوم (۱۹۴۲ء)؛ (۱۴) تاریخ عطیاتِ آصفی (۱۹۴۲ء)؛ (۱۵) حیدر آباد کی نسوانی دنیا (۱۹۴۴ء)؛ (۱۶) مکتوباتِ امجد (۱۹۴۴ء)؛ (۱۷) تذکرہ مرتضیٰ (۱۹۴۵ء)؛ (۱۸) عہدِ آصفی میں قدیم تعلیم**

(۱۹۴٦ء)؛ (۱۹) آج کا حیدر آباد (۱۹۵۳ء)؛ (۲۰) تذکرہ حیات بخشی بیگم (۱۹۵۴ء)؛ (۲۱) دکنی ہندو اور اردو (۱۹۵٦ء)؛ (۲۲) کتب خانہ سالار جنگ کی وضاحتی فہرست (۱۹۵۷ء)؛ (۲۳) کتب خانہ آصفیہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری کے اردو مخطوطات (۱۹٦۱ء)؛ (۲۴) دکنی اردو کے چند تحقیقی مضامین (۱۹٦۳ء)؛ (۲۵) دکنی کلچر (۱۹٦۳ء)؛ مولوی عبدالقادر (۱۹٦۳ء)؛ غیر مطبوعہ میں (۱) المحبوب اور (۲) حالات بھونگیر شامل ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی کے سوانح اور ادبی و علمی آثار کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیے: حفیظ قتیل، راہ رو اور کاروان (حیدرآباد دکن: اعجاز پرنٹنگ مشین پریس، ۱۹۵۵ء)، ص ۱۳۹۔۱۴۰؛ خواجہ حمید الدین شاہد (مرتب)، سرگذشتِ ادارۂ ادبیاتِ اردو (حیدرآباد دکن: اعظم سٹیم پریس، ۱۹۴۰ء)، ص ۱۲، ۱۷، ۵۴، ٦۷۔٦۸؛ واجدہ فرزانہ، نصیر الدین ہاشمی: ایک مطالعہ (کراچی: بزمِ تخلیقِ ادب، ۲۰۱۲ء)؛ طارق محمود، ''حیدرآباد دکن میں اردو تحقیق کی روایت (سقوطِ حیدرآباد دکن ۱۹۴۸ء تک)''، غیر مطبوعہ مقالہ پی ایچ ڈی، شعبۂ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۷ء، خصوصاً باب ۳۔

۲۔ خدیجہ ہاشمی کے بارے میں دیکھیے: احتشام الدین خرم، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط کا ادبی، تہذیبی اور تمدنی مطالعہ (حیدرآباد دکن: یوسف شرف الدین ادبی و مذہبی ٹرسٹ، ۲۰۰۹ء)، ص ۲۲۔

۳۔ دیکھیے: محمد ارشد، ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے چند غیر مطبوعہ خطوط''، معارف اسلامی (اسلام آباد)، جلد ۲، ۳، شمارہ ۲، ۱ (جولائی ۲۰۰۳ تا جون ۲۰۰۴ء)، ص ۴۵۸۔۴٦۱ (۴ مکاتیب)۔ انھیں مضامین و مسائل کے سے متعلق اپنے بعض دیگر عزیزوں کے نام بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط ملتے ہیں جو اس خاکسار نے مرتب کر کے شائع کیے ہیں: دیکھیے محمد ارشد، ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے چند غیر مطبوعہ خطوط''، پیغام آشنا (اسلام آباد)، شمارہ ۳۴ (جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء)، ص ۱۹۷۔۲۱۱۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ اُحد تشریف لے جا کر وہاں ان (صحابہ کرامؓ) کے لیے دعا فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول صحیحین کی روایت سے بھی ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الصّلاۃِ علی الشَّھِیْدِ، کتاب المغازی، باب غزوہ اُحد- باب غَزْوَۃِ أُحُدٍ؛ صحیح مُسلم، کتاب الفضائل، باب اِثبات حوض نبیّنا۔ زیارتِ قبورِ صحابہؓ سے متعلق اسوۂ نبوی کے بارے میں امام السّیوطی نے الدُّرُ المَنْثُور فی تَفْسِیرِ المَأثوْر میں حضرت انسؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شُہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے تھے اور ان پر سلام بھیجتے تھے: وأخرج ابن المنذر و ابن مردویة، عن أنسؓ: أَن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یأتی أُحدًا کل عامٍ فاذا تفوّہ الشعب سلّم علی قبور الشھداء فقال: "سلامٌ علیکم بماصبرتم فنعم عُقبی الدّار'' [القرآن، ۱۳:۲۴]۔ ملاحظہ ہو: الدُّرُ المَنْثُور فی تَفْسِیرِ المَأثوْر (بیروت: دارُالکتب العلمیۃ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)، ج ۴، ص ۱۰۹۔ زیارتِ قبورِ صحابہؓ سے متعلق اسوۂ نبویؐ کے بارے میں مزید دیکھیے: شیخ الاسلام ابن تیمیہ، روضۂ رسول کی زیارت: آداب، احکام و مسائل [اردو ترجمہ: الجواب الباہر فی زوّار المقابر] (مترجمہ: عطاء اللہ ثاقب)، (لاہور: دارالبلاغ، ۲۰۰٦ء)، ص ۱۳۰، ۱۳۴۔

۵۔ رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے اس لفظ کا استعمال ان کی تعظیم و تقدیس کے منافی ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بت پرست اورمشرک ہرگز نہ تھے بلکہ ان کا ملتِ حنیفیہ سے ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اس باب میں علامہ آلوسی اور قاضی محمد ثناء اللہ (۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) جیسے مشاہیر علماے اسلام کا موقف یہی ہے کہ رسالت مآب کے نسب نامہ کی نجابت وشرافت اور طہارت و پاکیزگی کا خداے لم یزل کی طرف سے غیبی سامان کیا گیا۔ اس مسئلے میں قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے ایک مستقل رسالہ قلم بند کیا ہے۔ دیکھیے: قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، **تقدیسِ والدین مصطفیٰ صلی الله علیه وسلم** (تدوین و ترجمہ: محمود الحسن عارف) (لاہور: مرکزِ ادبِ اسلامی، ۲۰۰۱)۔ اس سلسلے میں دیگر متکلمین اسلام کے نقطۂ نظر کے لیے ملاحظہ ہو: محمود الحسن عارف، **محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم کے آباء و اجداد کا تذکرہ** (لاہور: راحت پبلی کیشنز، ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)، ص۴۰-۵۴۔ تاہم دونوں خطوط کے مشمولات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسے ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے سہوِ قلم پر محمول کیا جانا چاہیے۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے جانے اور وہاں آپؐ پر فرطِ جذبات سے گریہ طاری ہونے سے متعلق یہ واقعہ صحیح مسلم اور سننِ ابنِ ماجہ میں منقول ہے ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الجنائز، **باب استئذان النّبیّ صلی اللّٰه علیه وسلم ربّه عزّوجلّ فی زیارة قبرِ امّه**؛ سننِ ابن ماجه (الریاض: دارالسّلام للنشر والتوزیع، ۱۴۲۰ھ)، **باب ماجاء فی زیارةِ قبورِ المشرکین**، حدیث۱۵۷۲، ص۲۲۴۔

۷۔ شبِ برأت میں رسول اللہؐ کے جنت البقیع کے قبرستان میں تشریف لے جانے کے واقعہ سے متعلق حضرت عائشہؓ کی روایت کو امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: جامع التِّرمذی (الریاض: دارالسّلام للنشر والتوزیع، ۱۴۲۰ھ)، **باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان**، حدیث،۷۳۹، ص۱۸۷۔

۸۔ القرآن، ۹۳ (الضحیٰ):۱۱۔

۹۔ القرآن، ۳۳ (الاحزاب):۵۶۔

۱۰۔ ملاحظہ ہو: **سننِ ابی داؤد**، ابواب السلام، حدیث۵۲۳۰۔ مشمولہ موسوعة الحدیث الشریف: الکتب الستة (الریاض: دارالسلام للنشر ولتوزیع، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)، ص ۱۶۰۵۔

۱۱۔ القرآن (۶۸[القلم]:۴)۔

۱۲۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: وعن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **"ما من احد یسلم علی الا ردالله علی روحی حتیٰ ارد علیه السلام"** (**سننِ ابی داؤد، باب زیارة القبور، حدیث ۲۰۴۱**)؛ ابن القیم الجوزیہ، **الصلوٰة والسلام علی رسول الله** ترجمہ **جلاء الافهام فی الصلاة والسلام علی خیر الانام** (مترجمہ: قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری) (لاہور: دارالسلام، ۲۰۰۱ء)، ص۳۳-۳۴۔

۱۳۔ اس سے ملتے جلتے مفہوم کی متعدد روایات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ایک حدیث اس طرح سے ہے: عن ابن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "لله ملائکة سیاحون فی الارض یبلغون عن أمتی السلام" (امام ابن جوزی، **الوفا باحوال المصطفیٰ** (تحقیق: مصطفیٰ عبدالواحد)، (لاہور: المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء)، جلد ۱، ص ۸۰۶۔ نسائی میں یہی روایت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: و عن ابن مسعود قال قال رسول الله علیه وسلم ان لله ملائکة سیاحین فی الارض یبلغون من امتِی السلام (رواہ النسائی و الدارمی بحوالہ **مشکوٰة**، باب الصلوٰة علی

النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا، حدیث ۹۲۳ (٦)۔ایک دوسری حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: عن انس بن مالك قال: قال رسول الله عليه وسلم : "حياتي خيرلكم ينزل علي الوحي من السماء، فأخبر كم بما يحل لكم وما يحرم عليكم، و موتي خير لكم ، ،تعرض علي أعمالكم كل خميس، فما كان من حسن حمدت الله عليه، وما كان من ذنب أ ستوهب الله ذنوبكم" (امام ابن الجوزی، **الوفا باحوال المصطفیٰ**، جلد۱،ص۸۰۹-۸۱۰)۔ابن القیم الجوزیۃ نے **جلاء الافھام فی الصلاۃ والسلام علی خیرالانام** میں متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جان میں یوم الخمیس کے بجائے جمعہ کے روز کا ذکر ہے ۔ ملاحظہ ہو: حوالۂ مذکورہ،ص۵۳-۵۵۔

۱۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سید ابوالاعلیٰ مودودی سے بھی مراسلت کی تھی اور ان کی توجہ ان کی تفسیر **تفہیم القرآن** میں بعض تسامحات کی طرف دلائی تھی۔ اس مکتوب میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے سید مودودی کی تالیفات کی مقبولیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ وہ احمد خان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ مرحوم ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کومیں نے لکھا کہ ان کی تفسیر میں ایک جگہ حضرت جویریہ کو یہودی الاصل چھپ گیا ہے ۔ وہ خزاعیہ، یمنیہ تھیں۔ یہودی الاصل تو میرے علم میں صرف حضرت صفیہ تھیں، ان کا حوالہ پوچھا، فوراً قبول کیا کہ سہوقلم ہوا ہے، آئندہ اصلاح کردوں گا۔معلوم نہیں جدید طباعت میں تصحیح ہوئی کہ نہیں۔ اس کا علم پھیلنا چاہیے کہ مؤلف مرحوم کی کتابیں بہت پڑھی جاتی ہیں''۔ (احمد خان،''ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے خطوط بنام ڈاکٹر احمد خان''، **فکرو نظر** (اسلام آباد)، جلد۴۰، ۴۱، شمارہ۴،۱ (صفر المظفر تا رجب ۱۴۲۴ھ/اپریل تا ستمبر ۲۰۰۳ء)،مکتوب ۳۷،ص۴۶۹۔

۱۵۔ معلوم ہوتا ہے کہ سید ابوالاعلیٰ کے سوانح خصوصاً اور تعلیم و تربیت خصوصاً عربی و اسلامی علوم کی تحصیل کے بارے میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ پوری طرح آگاہ نہیں تھے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خودنوشت سوانح، ان کے مکتوبات نیز ان کے سوانح و آثار اور افکاروخیالات کے بارے میں بعض معاصر مصنفین کی تحقیقی نگارشات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں (سید مودودی) نے انٹر میڈیٹ کی تعلیم بھی مکمل نہیں کی تھی البتہ انھوں نے مولوی فاضل کا امتحان ضرور پاس کیا تھا (۱۳۳۶ھ/۱۹۱۶ء) ۔ دیکھیے: سفیر اختر (مرتب)، **ادب اور ادیب سید مودودی کی نظر میں** (لوہسر شرفو، واہ کینٹ: دارالمعارف، ۱۹۹۸ء)،ص ۲۵ و ۳۴ ، حاشیہ۲۰۔مزید برآں انھوں نے جمعیت علماے ہند کے اخبار **الجمعیۃ** (دہلی) کی ایڈیٹری کے زمانے (۱۹۲۵-۱۹۲۸ء) میں مدرسہ فتح پوری کے دوممتاز اساتذہ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی(م ۱۹۵۸ء) ،مولانا محمد شریف اللہ سواتی(م ۱۹۷۹ء)، کے علاوہ مولانا عبدالسلام نیازی (مؤلف **مصباح التجوید** و **کاشف الاسرار: تفسیرِ سورہ فاتحہ**)سے بالترتیب کتب حدیث پڑھیں تھیں، اور علوم عقلیہ وعربی ادب کی تحصیل کی تھی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ان تینوں اساتذہ کا شمار اپنے عہد کے صاحب نظر علماء میں ہوتا تھا۔ دیکھیے: سید اخلاق حسین قاسمی، **دلی کی برادریاں**(کراچی: مکتبہ رشیدیہ، ۲۰۰۰ء)،ص۳۲۴؛ مزید دیکھیے :سفیر اختر (مرتب)، **سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کا سرمایۂ قلم** (لوہسر شرفو، واہ کینٹ: دارالمعارف، ۲۰۰۴ء)،ص۱۰۰۔۱۰۲؛ وہی مصنف، **ادب اور ادیب سید مودودی کی نظر میں** ، ص ۳۹ ۔بعض وثائق سے اس امر کی شہادت فراہم ہوتی ہے کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مولانا شریف اللہ سے **بیضاوی**، اور **ھدایہ مطول** پڑھیں اور ان سے سند حاصل کی (۲۲ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ/۱۳ جنوری ۱۹۲۶ء) جبکہ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی سے **ترمذی شریف** اور **موطا امام مالک** سبقاً سبقاً پڑھیں اور سند حاصل کی۔ اسناد کی عکسی نقول اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے: مولانا خلیل حامدی (مرتب)، **وثائقِ مودودی** (لاہور: ادارۂ معارفِ اسلامی، ۱۹۸۴ء)، جلد۱،ص۱۲۔۱۴۔

مزید دیکھیے: سفیر اختر (مرتب)، ادب اور ادیب سید مودودی کی نظر میں ،ص۳۹۔سید مودودی نے اپنے ایک مکتوب میں مولانا عبدالسلام نیازی سے علوم عقلیہ اور عربی ادب کی تحصیل اوران کے احسانات وعنایات کا تذکرہ بڑے دلآویز انداز میں کیا ہے (دیکھیے: عاصم نعمانی (مرتب)، گفتار و افکار (لاہور: ادارۂ معارفِ اسلامی، ۱۹۸۸ء،ص ۱۸۱۔۱۸۵؛ مزید دیکھیے: سفیر اختر، ادب اور ادیب،ص۳۷،۳۹۔

۱۶۔ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی قادری حسرت (۱۲ اکتوبر ۱۸۷۱۔۲۴ مارچ ۱۹۶۲ء) جنوبی ہند کے ایک ممتاز عالم دین، متکلم، مفسر، صوفی اور شاعر تھے، جنھیں ان کے علم وفضل کے باعث ان کے تلامذہ اور متبعین کی طرف سے بحرالعلوم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔شہر حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم متعدد علماء سے حاصل کی۔نجی طور پر پنجاب یونیورسٹی (لاہور) سے مولوی فاضل اورمنشی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ بطور مدرس ومفتی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ نظام سابع میر عثمان علی خان (۱۹۱۱-۱۹۴۸ء) کے دور میں حیدر آباد میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل آیا(۱۹۱۸ء) تو اس کے کلیہ علوم دینیہ کے پہلے ڈین مقرر ہوئے۔ جامعہ سے سبکدوشی کے بعد گھر پر درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔۲۴ مارچ ۱۹۶۲ء کو انتقال ہوا۔ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت شعر وسخن کے علاوہ موسیقی (قوالی وغیرہ) سے بھی شغف رکھتے تھے اور حسرت تخلص تھا۔ وہ اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ان کے شعری کلام (تینوں زبانوں میں) کا مجموعہ کلیاتِ حسرت کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ان سے حدیث، تفسیر، کلام ،تصوف کے موضوعات پر تقریباً دو درجن کتب و رسائل یادگار ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) تفسیر صدیقی، قرآن حکیم کی تفسیر جو پہلے مجلّہ القدیر میں قسط وار ''درس القرآن'' کے عنوان سے شائع ہوئی بعد ازاں یکجا تفسیرِ صدیقی کے عنوان سے شائع ہوئی (۶ جلدیں، حیدرآباد: حسرت پبلی کیشنز، س۔ن)؛(۲،۳) انھوں نے الگ سے تفسیر سورۃ الفاتحہ کے علاوہ تیسویں پارے ''عم'' کی تفسیر بھی تالیف کی جو تفسیر لطیفی کے نام سے شائع ہوئی۔مؤخرالذکر میں مختلف آیات قرآنی کی تفسیر میں صنف لطیف (خواتین) سے خطاب کیا گیا ہے؛ (۴) الـدیـن: اصلاً عربی میں ہے، جو بعد میں اردو میں ترجمہ ہوئی: احادیث الاحکام (فقہی احکام کی حامل احادیث) کا مجموعہ جو فقہ حنفی کی تائید میں مرتب کیا گیا ہے؛ (۵)اصولِ اسلام:؛ (۶) مسئلہ عدم نسخ قرآن (حیدرآباد: محمودیہ مشین پریس)؛(۷) الدین یسر (حیدرآباد: دارالطباعت، ۱۳۷۶ھ)؛(۸) معیار الکلام (علم کلام)؛ (۹) التوحید (فارسی؛ عقیدہ ٔ توحید کی حکیمانہ ومتصوفانہ تشریح) جس کا ترجمہ ان کے بیٹے محمد عبدالرحیم صدیقی نے کیا ہے؛ (۱۰) حکمتِ اسلامیہ؛(۱۱) المعارف (مقالات و ارشادات: دوحصوں میں) (حسرت اکیڈمی، بار دوم ۱۳۸۲ھ)؛ (۱۲) تفہیماتِ صدیقی؛ (۱۳) سود کا مسئلہ؛ (۱۴) کتاب العرفان (فن تصورف پر ان کی فکر کے حاصلات وتحقیقات)؛ (۱۵) حقیقتِ بیعت؛ (۱۶) نظام العمل فقراء ۔مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی کی یہ تصانیف سلسلہ اشاعت حسرت اکیڈمی (صدیق گلشن، حیدر آباد دکن) کے زیر اہتمام متعدد بار شائع ہو چکی ہیں۔انھوں نے ابن عربی کی مشہور کتاب فصوص الحکم کا اردو میں توضیحی ترجمہ بھی کیا (جو حیدرآباد دکن اور لاہور سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے (لاہور: نذیر سنز، ۱۹۹۸ء، ۲۰۱۲ء)۔

حیدر آباد میں مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی کے مریدوں اور تلامذہ کا ایک کثیر گروہ تھا۔ ان کا سلسلہ قادری صدیقی کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کی متعدد سوانحیں لکھی گئی ہیں: جن میں طورِ تجلی اور یادگارِ حسرت (از موسیٰ عبدالرحمن صدیقی)

بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔ مولانا عبدالقدیر صدیقی کے احوال و آثار کے متعلق معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: معین الدین عقیل، ''تعارف''، در محمد عبدالاحد صدیقی، حاصلاتِ تفسیرِ صدیقی (لاہور: مکتبۂ تعمیر انسانیت، ۲۰۰۷ء)۔

۱۷۔ پروفیسر محمد حسن عسکری کے چند اہم افسانوی مجموعے حسب ذیل ہیں: جزیرے (دہلی ۱۹۴۳ء)؛ قیامت همرکاب آئے نه آئے (دہلی ۱۹۴۷ء)؛ انسان اور آدمی (لاہور ۱۹۵۳ء)؛ ستاره یا بادبان (کراچی ۱۹۶۳ء)؛ محمد حسن عسکری کے افسانے (مرتبہ محمد سہیل عمر: کراچی ۱۹۸۹ء)۔

۱۸۔ تنقید کے میدان میں محمد حسن عسکری کی تحریروں کے حسب ذیل مجموعے یادگار ہیں: وقت کی راگنی (لاہور ۱۹۷۹ء)؛ جدیدیت یا مغربی گمرائیوں کی تاریخ (۱۹۷۹ء)؛ جھلکیاں (مرتبہ سہیل عمر، نعمانہ عمر: لاہور ۱۹۸۱ء)؛ مقالات محمد حسن عسکری، ۲ جلدیں (مرتبہ شیما مجید)، (لاہور ۲۰۰۱ء)؛ مجموعه محمد حسن عسکری (لاہور: سنگِ میل، ۱۹۹۴ء)؛ شیما مجید (مرتب)، مقالات محمد حسن عسکری (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۱ء)، ۲ جلدیں۔

۱۹۔ محمد حسن عسکری کے سوانح، ادبی تنقیدی اور فکری تخلیقات اور ان کے تجزیاتی مطالعہ کے بارے میں ملاحظہ ہو: سلیم احمد، محمد حسن عسکری: انسان یا آدمی (کراچی ۱۹۸۲ء)؛ ابوالکلام قاسمی، مشرق کی باز یافت (علی گڑھ ۱۹۸۲ء)؛ آفتاب احمد، محمد حسن عسکری: ایک مطالعه (لاہور ۱۹۹۴ء)؛ ایس جی عباس، پروفیسر محمد حسن عسکری : ایک جائزہ (کراچی ۲۰۰۰ء)؛ اشتیاق احمد (مرتب)، محمد حسن عسکری ایک عهد آفرین نقاد (لاہور ۲۰۰۵ء)۔؛ عبدالعزیز (عزیز ابن الحسن)، ''محمد حسن عسکری کے تنقیدی تصورات اور دیگر قدیم و جدید تنقیدی رویوں کا تقابلی مطالعہ''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، شعبۂ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، س۔ن)۔ خصوصاً باب ۲، ص ۸۹ تا ۱۶۸؛ مہر اختر وہاب، ''محمد حسن عسکری: پاکستانی ادب کا نقاد''، تخلیقی ادب (اسلام آباد)، شمارہ ۵ (جنوری ۲۰۰۸ء)، ص ۳۸۸۔۳۹۸۔

۲۰۔ محمد حسن عسکری، جدیدیت یا مغربی گمراهیوں کی تاریخ کا خاکه (راولپنڈی: آبِ حیات، ۱۹۷۹ء)۔

۲۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ''دارالعلوم کورنگی میں مغربی فکر و فلسفے کی تعلیم کیوں روک دی گئی؟: مفتی شفیع، محمد حسن عسکری، محمد تقی عثمانی اور رینے گینوں، اہم جائزہ''، ساحل (کراچی)، جلد ۱۶، شمارہ ۱۱ (شوال ۱۴۲۶ھ/نومبر ۲۰۰۵ء)، ص ۶-۹۔

۲۲۔ محمد تقی عثمانی، تبصرے (مرتبہ: مولانا محمد حنیف خالد) (کراچی: مکتبۂ معارف القرآن، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء)، ص ۲۰۰۔۲۰۱۔

۲۳۔ دیکھیے: مفتی محمد تقی عثمانی، نقوشِ رفتگان (کراچی: مکتبۂ معارف القرآن، ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء)، ص ۱۴۵ تا ۱۵۴)۔

۲۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: عزیز ابن الحسن، محمد حسن عسکری کے نام چند نو دریافت مکاتیب''، معیار (اسلام آباد)، شمارہ ۱۰ (جولائی تا دسمبر ۲۰۱۳ء)، ص ۲۸۱ تا ۲۸۳۔

۲۵ الف۔ محمد حمید اللہ، ''پروفیسر محمد حسن عسکری مرحوم اعلی اللہ مقامہٗ''، در محراب: منتخب غیر مطبوعه ادبی تحریروں کا کتابی سلسله (مرتبہ: احمد مشتاق و سہیل احمد) (لاہور: مکتبۂ محراب، ۱۹۷۹ء)، ص ۷۔۸۔

۲۵ب۔ عبادت بریلوی، خطوطِ محمد حسن عسکری (لاہور: ادارۂ ادب و تنقید، ۱۹۹۳ء)، ص ۶۷۔

۲۶۔ ملاحظہ ہو: محمد حمید اللہ بنام حسن مثنیٰ مشمولہ طیب منیر، ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ایک خط اور زبان زد قصے''، دریافت (اسلام

آباد)، شمارہ ۴ ،ص ۳۹ ـ۴۰؛ محمد حمید اللہ بنام حسن مثنیٰ ، در شیما مجید (مرتب)، مکاتیبِ عسکری (لاہور: القمر انٹر پرائزز، س ـن)، ص ۲۰۷ تا ۲۰۸ـ محمد حسن عسکری بنام ڈاکٹر محمد حمیداللہ مشمولہ ''ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے نام اہل علم کے خطوط''، معارف (اعظم گڑھ)، جلد۱۸۲، شمارہ ۵ (نومبر ۲۰۰۸ء)، ص۳۹۲ـ۳۹۴ـ محمد حسن عسکری کے مکاتیب میں محمد حمید اللہ کا ذکر کثرت سے آیا ہے، دیکھیے: عبادت بریلوی (مرتب)، خطوطِ محمد حسن عسکری، ص۵۴، ۶۷ـ۶۸، ۷۲ـ۷۳، ۹۴، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱؛ شیما مجید (مرتب)، مکاتیب عسکری، ص ۱۲۱، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۸۸ـ

۲۷ـ دیکھیے عزیز ابن الحسن، ''محمد حسن عسکری کے نام چند نو دریافت مکاتیب''، معیار (اسلام آباد)، شمارہ ۱۰ (جولائی تا دسمبر ۲۰۱۳ء)، ص ۲۸۵ تا ۲۸۷ـ

۲۸ـ محمد حمیداللہ، ''پروفیسر محمد حسن عسکری مرحوم اعلی اللہ مقامہ''، در محراب: منتخب غیر مطبوعہ ادبی تحریروں کا کتابی سلسلہ (مرتبہ: احمد مشتاق و سہیل احمد) (لاہور: مکتبۂ محراب، ۱۹۷۹ء)، ص ۸ـ

۲۹ـ مغربی زبانوں میں ترجمۂ قرآن کے بارے میں چند اہم مسائل کے بارے میں محمد حمید اللہ کے خیالات کے بارے میں دیکھیے: محمد حمید اللہ، ''قرآن مجید کے تراجم کی چند گتھیاں''، مجلّہ برگِ گل (اردو کالج، کراچی)، شمارہ ۵ (۱۹۵۸ـ۱۹۵۹ء)، ص ۲۵۶ـ۲۷۸ـ

۳۰ـ عزیز ابن الحسن، محمد حسن عسکری کے نام چند نو دریافت مکاتیب''، معیار (اسلام آباد)، شمارہ ۱۰ (جولائی تا دسمبر ۲۰۱۳ء)، ص ۲۸۵ تا ۲۸۶ـ

۳۱ـ اس سے پروفیسر محمد شفیع (م۱۹۶۳ء)، بانی صدرِ شعبۂ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور مراد ہیں۔ شامل ہیں۔ دیکھیے :ص ۶۵۸ـ۶۵۹ـ

۳۲ـ مختارالدین احمد کے سوانح اور علمی و ادبی آثار کے بارے میں ملاحظہ ہو: مجلّہ تحقیق (سندھ یونیورسٹی، جامشورو)، شمارہ ۱۲ـ۱۳ (۱۹۹۸ تا ۱۹۹۹ء)، ''گوشۂ مختارالدین آرزوؔ''، ص۶۵۳، حاشیہ ۴۶، ص ۶۸۷، حاشیہ، ص ۷۰۹، حاشیہ ۱۳؛ عطاء خورشید و مہر الٰہی ندیم، مختار نامہ: پروفیسر مختارالدین احمد کے مقالات و تصانیف کا موضوعاتی و وضاحتی اشاریہ (علی گڑھ: علی گڑھ ہیریٹیج پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)؛ ضیا الدین اصلاحی، ''پروفیسر مختارالدین احمد کی عربی کی علمی و تحقیقی خدمات''، معارف (اعظم گڑھ)، جلد ۱۸۳، شمارہ ۲ (صفر ۱۴۳۰ھ/فروری ۲۰۰۹ء)، ص ۸۵ـ۱۱۳؛ جلد ۱۸۳، شمارہ ۳ (ربیع الاول ۱۴۳۰ھ/مارچ ۲۰۰۹ء)، ص ۱۶۵ـ۱۸۷؛ ارشد محمود ناشاد (مرتب)، مکاتیب آرزو بہ نام ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (راولپنڈی: الفتح پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ''مقدمہ''، ص ۱۱ـ۱۵ـ محمد راشد شیخ، علامہ عبدالعزیز میمن: سوانح اور علمی خدمات (کراچی: قرطاس، ۲۰۱۱ء)، ۲۹۹ـ۳۰۳ـ اس سلسلے میں پروفیسر مختارالدین احمد کو پیش کیے گئے ارمغانِ علمی بعنوانِ نذرِ مختار (مرتبہ: مالک رام) کے حصۂ اول (تذکرۂ مختار) میں شامل حسبِ ذیل مقالات: ''ذکر مختار'' (مالک رام)؛ ''پروفیسر مختارالدین احمد'' (پروفیسر نذیر احمد)؛ ''پروفیسر مختارالدین احمد: ایک دوست'' (اسلوب احمد انصاری)؛ ''پروفیسر مختارالدین احمد آرزو : ایک شخصی مطالعہ'' (عبدالمغنی)؛ ''ڈاکٹر مختارالدین احمد بحیثیت محقق'' (گیان چند جین)، بڑے اہم ہیں۔

۳۳/ل خط کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

۲۵ جمادی الآخرہ ۱۴۰۰ھ

محترم و مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کے موٴقر مجلّہ کے مرسلہ دو شمارے موصول ہوئے۔ آنمحترم کی اس عنایت وعزت افزائی پر ممنون ہوں۔ یہ مجلّہ علمی معیار کے اعتبار سے اتنا وقیع اور اس لائق ہے کہ اس کا شہرہ پورے ہندوستان میں ہو۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیوی ابتلاء ومحن سے محفوظ رکھے۔ اگر یہاں پیرس میں کسی کارِ لائقہ سے یاد فرمائیں تو مسرت ہوگی۔ آنجناب اس عاجز کو ہمیشہ مفوضہ خدمت کی بجا آوری پر مستعد پائیں گے۔ آنمحترم سے ملتمس ہوں کہ (خط پر میرا پتہ درج کرتے ہوئے) میرے نام کے ذکر سے گریز فرمائیں۔ نام کے بجائے خاکسار یہاں جس ادارے سے منسلک ہے اس کے نام و پتہ کا درج کردینا ہی زیادہ مناسب ہوگا، یعنی:

Centre Culturel Islamique

4, Rue de Tournon, 75006-Paris/ France.

خط ان شاء اللہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔ آنمحترم کی صحت و عافیت کے لیے دعا گو ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

۳۳ب۔ مجلّہ علوم اسلامیہ (علی گڑھ) مراد ہے، جو پروفیسر مختارالدین احمد کی ادارت میں شعبۂ علوم اسلامیہ سے جاری ہوا اور بارہ سال تک انھی کی ادارت میں نکلتا رہا۔

۳۴۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے قلم سے سہو ہوا ہے یا انھوں نے از راہ انکسار اس باب میں اپنی کاوشوں کا ذکر مناسب خیال نہیں کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انساب الاشراف کی جلد اول کی تحقیق و تدوین کا کارنامہ خود محمد حمید اللہ نے انجام دے کر اوروں کو اس طرف رہنمائی کی تھی (ملاحظہ ہو مکتوب ۵)۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر نہایت محققانہ مقدمہ بھی سپرد قلم کیا۔ انساب الاشراف کی پہلی پانچ جلدوں کی تدوین، تہذیب وتحقیق اور اشاعت کی صحیح ترتیب زمانی اس طرح سے ہے:

جلد۱: تحقیق محمد حمید اللہ، دار معارف، مصر ۱۹۵۹ء؛

جلد۲: تحقیق محمد باقر المحمودی، موٴسسۃ الأعلمی للمطبوعات، بیروت، طبع اول ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء؛

جلد۳: تحقیق محمد باقر المحمودی، دارالتعارف للمطبوعات، طبع اول ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء؛

جلد۴: تحقیق عبدالعزیز الدوری، جمعیۃ المستشرقین الألمانیۃ، بیروت، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء؛

جلد۵: تحقیق احسان عباس، جمعیۃ المستشرقین الألمانیۃ، بیروت، ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء۔

۳۵۔ مستشرق آل وارٹ (Wilhelm Ahlwardt)، نے انساب الاشراف کی گیارھویں جلد ایڈٹ کر کے ۱۸۸۳ء میں Greifswald (جرمنی) سے شائع کی تھی۔

۳۶۔ مراد ارمغانِ علمی ہے جو فخر الدین علی احمد کی نذر کیا گیا۔ مراد ہے ۔ یہ ارمغانِ علمی مختارالدین احمد نے مرتب کر کے علی گڑھ سے شائع کیا تھا۔

۳۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: احمد جاوید، ''حضرت مولانا ہاشمی بطور ایک صوفی با صفا''، منہاج (مولانا متین ہاشمی نمبر)، جلد۱۰، شمارہ ۳،۴ (محرم تا ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ/جولائی تا اکتوبر۱۹۹۲ء)، ص ۷۲ تا ۸۶؛ روزنامچۂ مولانا محمد نافع (م ۲۰۱۵ء) (صاحب رحماء بینھم) غیر مطبوعہ مملوکہ محمد ابوبکر، محمدی شریف؛ محمد سعداللہ، تذکرۂ مجاھد ملت مولانا محمد ذاکر (محمدی شریف، ضلع چنیوٹ: مولانا محمد ذاکر اکیڈمی، ۲۰۱۰ء)، ص۱۷۲-۱۷۳؛ مولانا عزیز الحسن صدیقی، ''مولانا ہاشمی، یادوں کے آئینے میں''، منہاج (مولانا ہاشمی نمبر)، ص ۲۳۱ تا ۲۳۵؛ نیز اس شمارے میں شامل دوسرے مقالات؛ شمیم روشن آراء''، سوانح حیات[مولانا سید محمد متین ہاشمی]''، منہاج (مولانا متین ہاشمی نمبر، ص ۲۰ تا ۳۲؛ وہی مصنف، ''مولانا متین ہاشمی: ہمہ جہت کردار''، اسلام اور عصر جدید (نئی دہلی)، جلد۴۱، شمارہ ۳ (جولائی ۲۰۰۹ء)، ۸۵-۱۲۰؛ نجمہ کلثوم، ''مولانا سید محمد متین ہاشمی کی دینی و علمی خدمات''، غیر مطبوعہ مقالۂ ایم اے علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۹۹ء؛ خواجہ عابد نظامی، ''مولانا سید محمد متین ہاشمی''، نوائے وقت سنڈے میگزین، ۲۲ اپریل ۲۰۰۷ء، ص ۲۵۔

۳۸۔ عبدالمالک عرفانی، ''مولانا ہاشمی بطور رکن اسلامی نظریاتی کونسل''، منہاج (مولانا ہاشمی نمبر)، ص ۱۶۱ تا ۱۶۵۔

۳۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: حافظ محمد سعداللہ، ''مولانا ہاشمی بحیثیت خطیب و مبلغ''، منہاج (مولانا ہاشمی نمبر)، ص ۱۱۴ تا ۱۳۲۔

۴۰۔ نجمہ کلثوم، مولانا سید محمد متین ہاشمی کی دینی و ملی خدمات، ص ۱۸۴۔

۴۱۔ منہاج (اجتہاد نمبر)، جلد۱، شمارہ۱ (ربیع الاول ۱۴۰۳ھ/جنوری ۱۹۸۳ء)؛ (بار دوم ۱۹۸۵ء؛ بار سوم ۱۹۹۴ء)۔

۴۲۔ عصرِ جدید میں شوروی اجتہاد اور اجماع کے بارے میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے خیالات کے بارے میں مزید دیکھیے:

خطباتِ بھاولپور (اسلام آباد: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، ۱۹۸۸ء)، خصوصاً باب ۳،۴ (۸۳-۱۱۷، ۱۱۸-۱۳۶) و بمواقع عدیدہ۔

۴۳۔ منہاج (حیثیت نسوان نمبر)، حصہ اول ۱۹۸۴ تا؛ حصہ دوم ۱۹۸۵ء۔

جدیدیت کی گمراہیاں

E-mail: lodhisahil@hotmail.com

ماہنامہ ساحل SAHIL کراچی

شوال ۱۴۲۶ھ / نومبر ۲۰۰۵ء

☆ ۲۱ء کاٹ لینڈ یارڈ دنیا کا بدترین ملک

☆ تجدد اور روحانیت کی مغربی تاریخ کا احیاء

☆ زلزلہ: کیا قیامت کے زلزلے کی یاد دہانی ہے؟

دارالعلوم کورنگی میں مغربی فکر و فلسفے کی تعلیم کیوں روک دی گئی؟

۱۹۷۳ء میں محمد حسن عسکری کی کتاب "جدیدیت، مغربی فکر کی گمراہیوں کا خاکہ" مفتی محمد شفیع کے حکم پر دارالعلوم کورنگی میں تخصص دعوت کے نصاب میں شامل کی گئی۔ عالم اسلام میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی دینی مدرسے میں مغربی فکر و فلسفے کو نصاب کا حصہ بنایا گیا، لیکن دو سال کے بعد اس کتاب کی تدریس موقوف کر دی گئی۔ اگر مغربی فکر و فلسفے کا مطالعہ جاری رہتا تو آج عالم اسلام مغرب سے اس درجہ مغلوب و مرعوب نہ ہوتا اور بعض علماء مغرب سے ناواقفیت کے باعث مغربی تہذیب کے کافرانہ اداروں کو سند جواز عطا نہ فرماتے۔ محمد حسن عسکری اور دارالعلوم کورنگی نے اس اہم واقعے پر سکوت اختیار کر لیا۔ اس سلسلے میں تین موقف سامنے آئے۔ پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ یونانی، مغربی، ہندو فلسفے اور اسلامی علوم سے واقف کوئی معلم دستیاب نہ ہو سکا۔ تقی عثمانی صاحب نے ایک سال اس کتاب کی تدریس کی لیکن فلسفے سے عدم مناسبت کے باعث یہ سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ مفتی شفیع صاحب کو بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ روایت کا مکتب فکر جدیدیت کا دوسرا رخ ہے۔ رینے گینوں ۱۹۰۹ء میں مسلمان ہوئے لیکن ۱۹۰۸ء میں فری میسن سے وابستہ ہو گئے۔ یہ وابستگی کسی نہ کسی شکل میں آخر تک برقرار رہی۔ وہ وحدت ادیان کے فلسفے کے تحت تمام روایتوں کو "الحق" سمجھتے تھے اور کسی روایت کی برتری کے قائل نہ تھے۔ ان کی تحریروں پر ہندو مت کے گہرے سائے نظر آتے ہیں۔ ہندو مت کے فلسفے نے ان کے فکر کا احاطہ کر رکھا تھا۔ وہ وحی الٰہی کے بجائے حسی وجدان کو حقیقت کے حصول کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ تبلیغ دین کے مخالف تھے۔ گینوں اور ان کا مکتبہ فکر مغرب سے کسی مبارزت کا قائل نہیں۔ ہندو فلسفے کے تحت وہ سمجھتے تھے کہ کل یگ کا انتظار کیا جائے جو حق و باطل کے التباس کو دور کر دے۔ مغرب کا مخالف بننے کا دوسرا کوئی طریقہ نہیں۔ اس فلسفے کے نتیجے میں جمود کا عمل ہوتا ہے۔ مغرب کے غلبے اور اسلام کا قیام محال ہو جاتا ہے اور مغربی تہذیب یوں قیامت تک اس دنیا پر مسلط ہو جاتی ہے۔ تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ عسکری صاحب نے یہ کتاب مفتی شفیع صاحب کی فرمائش پر لکھی تھی اور تقی عثمانی صاحب نے طلبہ کے لیے اس کتاب کے مطالعے کی بھرپور سفارش کی تھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ کتاب اتنی اہم تھی تو گزشتہ تینتیس برس سے دارالعلوم کورنگی میں اس کتاب کی تدریس کیوں معطل ہے؟ اس کتاب کو وفاق المدارس کے نصاب میں شامل کرانے کی کوشش کیوں نہیں کی گئی؟ اگر اسلام اور جدید معیشت کو نصاب کا حصہ بنایا جا سکتا ہے تو مغربی فکر و فلسفے کو نظر انداز کرنے کی کیا وجہ ہے؟ زیر نظر شمارے میں عسکری صاحب کی کتاب ملاحظہ فرمایے۔

ماہنامہ ساحل کراچی
Monthly SAHIL Karachi

بانی و مدیر منتظم: مولوی ڈاکٹر خالد علی انصاری

جلد سولہ | شمارہ گیارہ | شوال ۱۴۲۶ھ دسمبر ۲۰۰۵ء

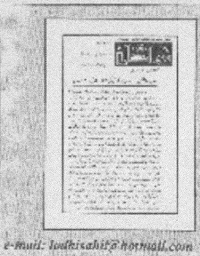

e-mail: ludhisahil@hotmail.com

مدیر اعلیٰ:
مولوی خالد بن حسن
مدیران:
اشرف لودھی
مولوی محمد طارق
مجلس مشاورت
مولوی ڈاکٹر سلمان ندوی
مولوی ڈاکٹر عرفان عصمت اللہ [illegible]
مولوی رشید صدیقی
مولوی ڈاکٹر فاروق حسن
مولوی عبدالصمد مجاہد
دفتر رابطہ:
بی - ۲۳۰ [illegible] ناظم آباد کراچی
فون:
۰۳۰۰۸۲۳۹۲۹۸
مقام اشاعت:
[illegible] کراچی
زر تعاون: بیس روپے
ناشر: ڈاکٹر خالد علی انصاری
طابع: احمد برادرس، ناظم آباد کراچی

فہرست

نعت	شبیب احمد	۶
دارالعلوم کورنگی میں مغربی افکار و تہذیب کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے؟		۷
ذکی الدین: [illegible] ایرانی تاریخ کا احیاء		۱۸
امریکہ لیڈر دنیا کا [illegible] ملک		۲۱
[illegible] قیامت کی یاد دہانی		۲۶
مغرب کے [illegible] کی تاریخ	محمد حسن عسکری	۲۸
مدارس عربیہ میں یونانی علوم پر اعتراض		۳۰
یونانی انسان پرستی کے بانی		۳۲
جمہوریت کا زوال		۳۳
ہمارے علماء کی ایک کمزوری		۳۵
زمانہ [illegible] کے بارے میں جھوٹی تاریخ		۳۶
[illegible] عیسائیت کا زوال		۳۸
عیسائیت کے زوال کا اصل سبب		۴۰
[illegible] کی پہچان		۴۵
[illegible] جمہوریت کا زوال		۴۸
[illegible]		۴۹
[illegible]		۵۱
[illegible] کی ایک قسم		۵۳
فطرت پرستی کی تحریک		۶۰
نظریہ ارتقاء کے مذہب پر اثرات		۶۲
[illegible]		۶۴
[illegible] اصطلاح		۶۹
نفسیات کا [illegible]		۷۰
مغربی تہذیب کی [illegible]	محمد حسن عسکری	۸۲

آئندہ شماروں کے موضوعات

☆ سودی نظام کو حلال قرار دینے کے لیے جامعہ اشرفیہ لاہور کے حضرت مفتی عبدالرحمن اشرفی کے [illegible] بیانات اور غیر سنجیدہ خیالات کا علمی و تحقیقی جائزہ۔ عبدالرحمن اشرفی مزید فرماتے ہیں کہ اصلی عالم دین صرف ایک شادی کرتا ہے، دوسری نہیں کرتا۔ علماء دو چار بوجھ برداشت نہیں کر سکتے یا تو علمی کام کریں گے یا بیوی کو وقت دیں گے، بہت سے علماء تو علمی کام میں رکاوٹ کے باعث شادیاں ہی نہیں کرتے تھے ان کا موقف تھا کہ شادی علمی کام میں رکاوٹ بن جاتی ہے مثلاً امام [illegible] وغیرہ۔ ایسے علماء کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔ افغانی رہنماؤں کی نظر میں [illegible] عبدالرحمن اشرفی لبرل مولوی ہیں جو [illegible] جیسے پارٹی کی جہت سے حدود کی پاسداری سے نکل [illegible] کے برعکس عصر حاضر کو [illegible] اور [illegible] تقاضوں کو مغرب کے مطابق بنانے والا مجتہد بنتے ہیں۔ عبدالرحمن اشرفی کے غیر اسلامی نظریات کا [illegible] جائزہ۔

☆ جنگ کے کالم نگار ارشاد احمد حقانی کے [illegible] افکار کا تنقیدی جائزہ۔ ارشاد احمد حقانی کے خیال میں اسلامی سزائیں حتمی نہیں ہیں۔ گناہ بھی دائمی نہیں ہوتا۔ گناہ اور سزا اضافی relative چیزیں ہیں۔ ہر معاشرے کے لحاظ سے گناہ اور سزا کا تصور بدلتا رہتا ہے۔ پہلے زنا کی سزا رجم یا کوڑے تھی اب حالات بدل گئے تو ترکی نے جرم کی سزا چند سال قید مقرر کر دی کیونکہ زنا کی وہ قباحت نہیں رہی جو پہلے تھی۔ لونڈی غلام رکھنا آج کا ہم انکار کرتے ہیں۔ خلافت راشدہ کا نظام ماڈل نہیں ہے۔ خلفاء راشدین تاحیات حکمران رہے لیکن ہم اس اصول کو نہیں مانتے۔ مغرب کی تمام ایجادات فطرت ہیں انہیں قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر ان مردوں کی ہوئی مرغی حلال ہے۔ قرآن و سنت کی نصوص میں تبدیلی ہو سکتی ہے، داڑھی رکھنا ضروری نہیں۔ مغربی تہذیب ان کے اثر سے خالی نہیں، مسلمان تہذیب میں جبر کا عنصر فراواں ہے۔ دنیا کو آج جبر سے آزادی ملی ہے یہ انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہے۔ برٹرینڈ رسل مغربی تہذیب کا نمائندہ دانشور اور اقبال اسلامی تہذیب کا نمائندہ ہے۔ شریعت کا مجموعہ آج کے زمانے میں قابل نفاذ نہیں۔

☆ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے سربراہ اور وفاقی شرعی عدالت کے جج ڈاکٹر رشید جالندھری کے جدید افکار کا جائزہ۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں ہر دور کے لیے الگ شریعت ہے۔ اب دور بدل گیا ہے لہٰذا شریعت بدل جائے گی۔ مغرب کی ترقی اس لیے ہوئی کہ انہوں نے مذہب کی اصلاح کی۔ سیکولرازم عین اسلام ہے۔ چرچ کا ادارہ پہلے کے مقابلے میں اب دین کی بہترین خدمات انجام دے رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے ساتھ معاشی، سیاسی، سماجی، قانونی، انصاف کا تجربہ ختم ہو گیا۔ اسلامی تصور انسانی فطرت کے قریب نہیں ہے۔ مرتد کی سزا اسلام میں غلط ہے۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات نہیں۔ قرآن کا قانون وراثت جدید عہد کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ اب مرد و عورت کا حصہ جائیداد میں برابر ہونا چاہیے۔ سود حلال ہے یہ وہ سود نہیں جو عہد رسالت میں تھا۔ [illegible] مرد و زن کی تعداد کے مطابق کیا گیا۔

دارالعلوم کورنگی میں مغربی فکر و فلسفے کی تعلیم کیوں روک دی گئی؟

مفتی شفیع، محمد حسن عسکری، محمد تقی عثمانی اور رینے گینوں: اہم جائزہ

برِ عظیم پاک و ہند میں گزشتہ دو صدیوں سے مشرق و مغرب کی کشمکش جاری و ساری ہے۔ اس کشمکش میں علمی طور پر شریک افراد میں محمد حسن عسکری کا نام اہم ترین ہے۔ عسکری صاحب نے ترقی پسند ادب سے روایت پسند فکر تک جو سفر طے کیا اس کی بے شمار منزلیں ہیں اور ہر منزل ایک نئے سفر اور ایک نئے فکر کا عنوان بن جاتی ہے۔ اردو زبان و ادب کی تاریخ کو انگریزی فکری اثرات سے آزاد کرانے کا سہرا عسکری صاحب کے سر ہے جنھوں نے فرانسیسی ادبی روایت اور روایت کے نقطۂ نظر کے زیرِ اثر اردو زبان و ادب کا رشتہ دینی روایات سے جوڑ دیا۔ وہ ادب سے دین کی طرف آئے تھے لہٰذا ان کی تحریروں کے سنجیدہ قارئین کو شکوہ رہتا تھا کہ عسکری "اچھے خاصے علمی مضمون کو رفتہ رفتہ دین کی زبان میں ادا کر کے مبتذل بنا دیتے ہیں"۔ اس کا جواب عسکری صاحب نے اپنے مخصوص استہزائیہ انداز میں دیا ہے کہ "لوگ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ بڑے بڑے نظریوں اور مذاہب پر غور کرتے ہوئے میں نے عام طور پر ان کے صحیح ترین تصور کے بجائے مقبول ترین تصور کو پیشِ نظر رکھا ہے"۔ ان مطلق کے بجائے ذہنی عمل پر عسکری صاحب کا اصرار ہمارے لیے ایک دلچسپ موضوع ہے۔

فرانسیسی زبان، ابنِ عربی اور رینے گینوں نے عسکری کے سفر کی سمت مغرب سے مشرق کی طرف موڑ دی۔ ۱۹۵۷ء تک عسکری صاحب نے کوئی دینی کتاب نہیں پڑھی تھی۔ دین کا علم انھیں ابنِ عربی اور رینے گینوں کے ذریعے حاصل ہوا اور مجدد الف ثانی کے مکتوبات بھی اس سفر میں پیشِ نظر رہے لیکن ان کے عشق نے رینے گینوں کی راہ میں قدم رکھ لیا۔ اس لیے بعض لوگ کہتے ہیں کہ عسکری صاحب کو "مشرق" بھی مغرب کے ذریعے ملا ہے۔ عسکری صاحب ڈاکٹر عبید اللہ کے نام خط میں بلا تکلف اس کا اعتراف کرتے ہیں: "۔۔۔۔ انھوں نے میرے مضمون کو پسند کیا تو مجھے دو وجہ سے خوشی ہوئی۔ ایک تو یہ کہ وہ میرے دینی بھائی ہیں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ میں نے جو کچھ سیکھا ہے فرانس سے سیکھا ہے۔ اردو شاعری بھی میں نے اس وقت سمجھی ہے کہ جب فرانسیسی شاعری پڑھی ہے۔ اسلام اور تصوف کو اس وقت سے سمجھا ہے کہ جب رینے گینوں کی کتابیں پڑھی ہیں۔ فرانس تو مغرب کا دل اور دماغ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت فرانس پر ہوئی ہے کہ رینے گینوں جیسے بزرگ وہاں پیدا ہوئے۔ ان حضرات کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے میں اپنا دوسرا مضمون آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔ یورپ کے خلاف کوئی تحریک چلانے کے بجائے میں تو یہ کوشش کر رہا ہوں کہ یورپ کے ادب اور خصوصاً

ادب ساتھی کے ادب کو صحیح طور سے سمجھا جائے اور میرا یقین ہے کہ یورپ کے ادب کو صرف اسلام اور تصوف کے مطالعے کے اندر ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ فرانسیسی مسلمان بھائیوں سے میرا حسنِ ظن بیان کر دیں۔" مکاتیب عسکری: یہ بھی حقیقت ہے کہ مغرب کے جس فلسفی سے وہ متاثر ہوئے شیخ رینے گینوں انھیں بھی مشرق کے ابنِ عربی کے وسیلے سے ملا تھا اور عسکری صاحب بھی گینوں کے ذریعے ابنِ عربی تک پہنچے یعنی مغرب کے ذریعے مشرق کی بازیافت ہوئی۔ اس نکتہ نظر کی تردید کرتے ہوئے ایک صاحب نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اصلاً مشرق کی بازیافت مشرق کے ذریعے ہی ہوئی ہے کیونکہ ابنِ عربی مغرب کی جو گیر تحریک مشرق کا ورثہ ہے۔ ابنِ عربی فرانس میں بہت مقبول تھے اور بے شمار اہلِ علم ان کی تعلیمات سے متاثر ہوئے۔ عسکری صاحب بھی فرانسیسی ادب و فلسفے کے مطالعے سے ابنِ عربی تک پہنچے۔ ابنِ عربی کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: "سعید احمد اکبر آبادی بیچ کہتے ہیں یا جھوٹ اس کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ دارالعلوم دیوبند کے سو سالہ جشن کے موقع پر حضرت مولانا حبیب صاحب نے جو کتاب دیوبند کے عقائد کے متعلق شائع کی ہے اس میں حضرت شیخ اکبر کو دیوبندی عقائد کا ایک ستون قرار دیا ہے۔ اکبر آبادی صاحب لکھتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کو نقصان پہنچایا ہے۔ حال یہ ہے کہ آج صرف ایک کتاب "فتوحاتِ مکیہ" نے سارے مغربی علوم کو شکست دے رکھی ہے اور صرف ایک کتاب کے اثر سے یورپ میں لوگ جوق در جوق مسلمان ہو رہے ہیں۔" دراصل میں نے بھی "فصوص الحکم" اس لیے پڑھی کہ مارتن کے ایک گہرے دوست ہیں ETIEMBLE جن سے بعد میں بحث رہے ہو گی۔ بہرحال فرانس کے صفِ اول کے ادیبوں میں ہیں۔ ایک زمانے میں وہ اپنے ہر مضمون میں حضرت ابنِ عربی کا نام لیتے تھے۔ اس لیے مجھے بھی تجسس ہوا۔ ۱۹۵۰ء سے دو سال پہلے تک میں نے کوئی دینی کتاب پڑھی ہی نہیں تھی۔ لیکن فرانس کے ادیبوں نے حضرت ابنِ عربی کا نام اس طرح لینا شروع کیا کہ بطور فیشن مجھے بھی تجسس ہوا۔ پھر رینے گینوں کی دو ایک کتابیں پڑھ کر اور شوق ہوا۔ چنانچہ "فصوص الحکم" اور چند دوسری کتابیں دوسرے حضرات کی پڑھیں۔ یہاں دو واقعے ہوئے۔ مجھے ایک تو رینے گینوں کی ابتدائی کتابوں نے یورپ کے فکر کے دوسرے بہت سے الزامات سے صاف کر دیے تھے۔ دوسرے میں اس زمانے میں بیمار ہو گیا۔ ادبی اس طرح کہ میں پھر کچھ نہیں لکھ سکتا تھا۔ اس وقت گینوں کی سات آٹھ اور کتابیں مل گئیں۔ وہ بھی پڑھ ڈالیں اور ساتھ ہی حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات بھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور غلطیوں سے بچایا۔ اس کے بعد "فتوحاتِ مکیہ" پڑھنے کا شوق ہوا۔" [مکاتیبِ عسکری] اپنے محسنوں سے عسکری صاحب بے حد متاثر تھے۔ ان کے خیال میں اسلام کا احیاء اور مغربی تہذیب و فلسفے کی شکست گینوں کی فکر اور ان کے مکتبِ فکر کے ہاتھوں مغرب کا مقدر ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے نام اپنے خطوط میں لکھتے ہیں: "مسلمان عالموں کی پوری جماعت میں سب سے زبردست آدمی ہیں Rene Guenon۔ ستائیس آدمی کی کتابیں ہیں مگر انگریزی میں صرف چار ترجمے ہوئے ہیں۔ ان میں سے Crisis of Modren World اور The Reign of Quantity & the Signs of the Times اور Surrealists نے دوسری صدی کے بڑے واقعات میں شمار کیا ہے۔ کسی لائبریری میں مل جائیں تو ایک نظر ڈال لیجیے۔" ایک عجیب اتفاق ہے کہ ۱۹۴۹ء کے

قریب ہو... اشرف علی نے اپنی مجالس میں کہا تھا کہ مجھے تو یہ نظر آرہا ہے کہ اب اسلام کی خدمت کرنے والے یورپ سے پیدا ہوں گے۔ تقریباً یہی زمانہ ہے کہ جب Rene Guenon نے زور و شور سے لکھنا شروع کیا ہے۔ "شیخ اکبر کی کتابیں سمجھنے کے لیے ہم جیسے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ پہلے تو یورپ کے تعصبات سے چھٹکارا پایا جائے۔ اس کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ Rene Guenon کی مندرجہ ذیل کتابیں پڑھی جائیں۔ (۱) Crisis of the Modern World، (۲) Introduction to the Study of Hindu Doctrines (۳) East and West [مکاتیب عسکری]

گینوں کی کتابوں سے استفادہ کر کے عسکری صاحب نے ایک کتاب جدیدیت "مغربی تہذیب کی گمراہیوں کا خاکہ" لکھی۔ یہ کتاب اپنے اسلوب کے اعتبار سے نہایت سادہ اور مثالی کتاب ہے لیکن اس کا دوسرا حصہ نہایت مشکل ترین حصہ ہے جسے سمجھنے کے لیے یونانی و ہندی فلسفے اور مغربی فکر و فلسفے کے ساتھ ساتھ علوم اسلامی پر بھی گہری نظر ضروری ہے۔ عسکری صاحب نے گینوں کی کتابوں کی مدد سے مغربی تہذیب کی دس گمراہیاں دوسرے حصے میں موجود ہیں جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ ان کو دور کیے بغیر انگریزی تعلیم پائے والوں کو دین کی باتیں نہیں سمجھائی جا سکتیں۔ مفتی محمد شفیع نے عسکری صاحب کی مرتب کردہ دستاویز کی بنیاد پر دارالعلوم کراچی کے طلبہ کے لیے اس کی تدریس لازمی قرار دی۔ دو سال تک یہ کتاب "تخصص" درجوں اور ارشاد کے طلبہ کو پڑھائی گئی۔ عسکری صاحب کے مطابق خیال یہ تھا کہ مولانا تقی عثمانی اس فہرست کو سامنے رکھ کر اپنے طالب علموں کو ایک خاص قسم کا کورس الگ سے پڑھائیں گے جس سے یہ کورس نہ چل سکا۔ یہ تحقیق ہے میں نے جو لکھا تھا وہ اس مرحلے سے متعلق ہے۔ [مدیر الحق کے نام عسکری کا خط] عسکری صاحب کی زیر نظر مرتبہ کتاب دو سال تک دارالعلوم کورنگی کراچی کے نصاب میں داخل رہی اور مفتی تقی عثمانی صاحب اس کی تدریس فرماتے رہے، لیکن پھر اس کتاب کی تدریس موقوف کر دی گئی، اس کے اسباب کیا تھے اس بارے میں دونوں جانب گہرا سکوت پایا جاتا ہے، لیکن دونوں جانب کے ثقہ افراد سے تبادلہ خیالات کے ذریعے تین مختلف نقطہ نظر سامنے آتے ہیں۔ پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھانے کے لیے ہندی، یونانی اور مغربی فکر و تہذیب اور فلسفہ پر غایت درجے کا عبور درکار تھا لیکن دینی مدارس اور دینی اداروں سے کوئی ایسا استاد دستیاب نہیں تھا جو علوم اسلامی، علوم مغربی، ہندی اور یونانی پر گہری نظر رکھتا ہو۔ عسکری صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ تدریس کریں لیکن انھوں نے اس بنا پر معذرت کر لی کہ وہ ہندی اور علوم اسلامی سے تعلق واقف ہیں، لہٰذا یہ ان کا مقام نہیں ہے۔ حضرت مفتی تقی عثمانی نے خود دو برس تدریس کی ذمہ داری قبول کی لیکن ہندی، یونانی اور مغربی فکر و فلسفے سے انھیں مناسبت نہ تھی اور نہ ہی قدیم مغرب پر ان کی گہری نظر تھی۔ عسکری صاحب سے مسلسل استفادہ کے باوجود یہ کتاب کے فلسفیانہ مباحث کو طلبا تک منتقل کرنا بہت مشکل کام تھا۔ عسکری صاحب کے حلقے کے مطابق دوسرا مسئلہ دوسرا جس کی جانب عسکری صاحب نے ایک خط میں اجمالی روشنی ڈالی ہے کہ "مفتی صاحب کے صاحب زادے تقی عثمانی صاحب ضیاءت کی نگرانی کرتے ہیں، ایک تو وہ انگریزی اچھی طرح نہیں جانتے اور انگریزی

ضیاءت کا تجربہ نہیں۔ [ادبی نام محمد حسن عسکری، ۲۰۰۶ء، ص ۹۷۵]۔ لیکن یہ نقطہ نظر سے اتفاق نہیں ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب انگریزی زبان پر عبور رکھتے ہیں، یونانی، مغربی اور ہندی فلسفے پر انھیں عبور حاصل نہیں۔

بہر حال مناسب استاد نہ ملنے کے باعث مغربی فکر و فلسفے کی تاریخ و گمراہیوں پر مشتمل یہ کتاب دارالعلوم کے نصاب سے خارج کر دی گئی۔ لیکن عالم اسلام کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ غیر معمولی واقعہ تھا کہ کسی دینی مدرسے میں یونانی فلسفے کی جدید ترین شکل مغربی فکر و فلسفے کی باقاعدہ تعلیم و تدریس کا اہتمام کیا گیا۔ اگر یہ تجربہ جاری رہتا تو دینی علما اور دینی مدارس آج مغرب سے اس درجہ مغلوب و مرعوب نہ ہوتے اور مغرب کی الحادی اور بے خدا تہذیب اور اس کے نظام اور اس کے کافرانہ بیانیوں کو سند جواز عطا نہ کرتے۔

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ عسکری صاحب کی وفات پر مفتی محمد شفیع نے دارالعلوم کورنگی میں اپنے بیٹوں کے علاوہ تمام ذمے داروں سے مشورہ کر کے یہ نصاب ختم کر دیا لیکن انھیں اس کا شدید صدمہ ہوا، کیونکہ مفتی صاحب کے حلقے میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو یونانی، ہندی اور مغربی فکر و فلسفے پر کامل عبور رکھتا ہو اور اپنے بیٹوں کے نظریات کا اسلامی محاکمہ پیش کر سکے۔ لہٰذا مفتی صاحب نے دیگر حلقوں سے رابطہ کر کے ایسے محققوں کے افکار کے بارے میں جاننا چاہا تو انھیں حیرت انگیز معلومات حاصل ہوئیں، مثلاً یہ کہ روایت کے بانی اپنے مسلک میں ایک حد تک مغرب سے وابستہ ہیں۔ روایت جدیدیت کا ہی دوسرا رخ ہے۔ مغربی مفکرین اور فلسفی اپنے محققوں کو عام مغرب کے لیے کوئی خطرہ نہیں سمجھتے۔ اسی لیے مغرب میں فکر اسلامی پر جتنی بھی کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں چھوٹے سے چھوٹے اسلامی مفکر کا نام لیا جاتا ہے جس سے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو محدود پہلے پر بھی کچھ نہ کچھ متاثر کیا ہو، لیکن اس فہرست میں اپنے گینوں اور ان کے مکتبہ فکر کے بارے میں ایک سطر بھی نہیں لکھی جاتی۔ یہ مکتبہ فکر وحدت ادیان کا قائل ہے اور خود عسکری صاحب نے گینوں سے متاثر ہو کر فریتھجوف شوآن، مارٹن لنگز اور شوآں کی فکر اور کتابوں کو وحدت الادیان کے مسلک کا ترجمان قرار دیا۔ مزید تحقیق پر جو تفصیلات سامنے آئیں وہ ہوش ربا تھیں۔ ان کا خلاصہ روایت سے اوّل کے فکر میں بیان کیا جاتا ہے۔ [۱] روایت کا تصور دین و اسلام کے صحیح دینی تصور کی مطابقت میں نہیں بلکہ اس میں کئی طرح کی کجیاں اور خرابیاں موجود ہیں جو ہمارے دینی تصورات کے خلاف جاتی ہیں۔ [۲] شوآں، مارٹن لنگز اور روایتی روایت سے تعلق رکھنے والے اہل تقلید ایک فرقہ ہیں جن میں اسلام کو عیسائیت وغیرہ دوسرے مذاہب کے ساتھ خلط ملط کرنے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش پائی جاتی ہے۔ [۳] روایتی روایت شریعت کی بنیادی اہمیت کو نظر انداز کر کے طریقت کو اصل اور شریعت کو فرع قرار دیتا ہے۔ [۴] روایتی روایت سے تعلق رکھنے والے حضرات روایتی علم تفسیر کے اصولوں کو نظر انداز کر کے بعض آیات قرآنی کا مفہوم اپنی رائے سے اخذ کرتے ہیں۔ عسکری صاحب کے اپنے ذریعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ GOMBAUT کی کتاب کو خاص اہمیت دیتے تھے، وحدت ادیان سے شدید متاثر تھے اور گینوں جیسی شخصیت کی گرفت سے کبھی باہر نہ نکل سکے۔ عسکری صاحب نے بھی گینوں کی ہدایت پر کتاب سے خاص استفادہ کیا تھا۔ گینوں مختلف روحانی تنظیموں سے وابستہ رہے لیکن بعد میں ساری روحانیت سے متنفر ہو گئے۔ ۱۹۰۶ء میں

گینوں نے خفیہ طور پر اسلام قبول کیا اور ۱۹۳۱ء تک اسے ظاہر نہ کیا۔ ۱۹۰۸ء میں وہ فری میسن کے رکن بن گئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی انتقال تک گینوں کی دلچسپیاں فری میسن تحریک سے برقرار رہیں۔ اس تعلق کی مختلف علمی و تحقیقی وجوہات بھی تھیں۔ [AUGUELI] کے ذریعے وہ شیخ علیش کبیر سے متعارف ہوئے اور ۱۹۱۲ء میں [AUGUELI] کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسی سال ان کی شادی عیسائیوں کے رواج کے مطابق انجام پائی۔ اسلام کا اظہار نہیں کیا گیا۔ گینوں پر ALVEYDRE کا خاص اثر تھا، جو فلسفہ اور کبالہ پر متعدد کتابوں کا مصنف تھا اور ایک نئے سازی نظام کا خالق بھی۔ اس کی کتاب CLEFS-DE L. ORIENT سے گینوں نے روایت ازلی کا وہ تصور اخذ کیا جس کی بنیاد پر ہندستان روایت وجود میں آیا۔ اسی مصنف کی ایک اہم کتاب LA MISSION DE L. INDE میں گینوں کو وہ اشارات ملے جس کی بنیاد پر گینوں نے اپنے فکر کو پیش کر کے LE ROI DU MONDE میں پیش کیا۔ اس فکر کا تعلق ایک ایسے پر اسرار مرکز AGARTTHA سے ملتا ہے جہاں سلطان عالم بادشاہ رہتے ہیں۔ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ رینے گینوں کا عقیدہ یہ تھا کہ بنیادی روایت بالائی برفانی خطوں (HYPER BORI AN REGIONS) سے نکلی ہے۔ ان کے سرد ترین خطوں پر مشتمل ایک جغرافیائی خطے سے ابدی روایت کی آمد پر یقین رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ روایت خاص زمان و مکان میں محصور ہے۔ حسن ظن رکھنے کے باوجود جغرافیائی خطے کی اس حد بندی کو کسی مقدس یا آسمانی کتاب کے متون میں نہیں لیا جا سکتا۔ ۱۹۲۹ء میں گینوں نے فری میسنز کے خلاف لکھے گئے ناول پر تنقید کی۔ وہ فری میسنز کی اہمیت کے آخر تک قائل رہے۔ گینوں نے ڈاکٹریٹ کے لیے ہندو مت پر تحقیقی مقالہ پیش کیا جو منظور نہیں کیا گیا۔ مسترد شدہ مقالہ گینوں کی پہلی کتاب کے طور پر شائع ہوا۔ یہ مقالہ اس لیے منظور نہ ہو سکا کہ یہ علمی اور دستاویزی حوالوں اور غیر جانبدارانہ انداز نظر سے محروم تھا جو اکیڈمی تحقیق کے لیے ضروری ہیں۔ [۱] مسٹر [illegible] صاحب نے اسی مسترد شدہ مقالے کی بنیاد پر بڑا نظر کتاب مرتب کی تھی لیکن وہ اس تفصیل سے واقف نہ تھے۔ گینوں وحی الٰہی کے بجائے عقلی وجدان کو حصول حق کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے۔ ابتدائی روایت دینی گمراہیوں، فکری خامیوں اور روحانی لغزشوں کا جامع ہے۔

۱۹۰۷ء میں اسلام قبول کرنے کے باوجود ان کے طرز زندگی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ ۱۹۲۲ء میں ان کے گھر میں دیوار پر ہندو عورت کی قد آدم تصویر آویزاں تھی جو سرخ لباس میں ملبوس تھی۔ ان کی اہلیہ اہل مذہب کی پرستار تھی اور جب گینوں مطالعے میں مشغول ہوتے تو وہ خاموشی سے پیانو بجاتی رہتی۔ ان خوشگوار حالات میں ۱۹۳۱ء تک گینوں تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ گینوں [REGNABIT] جریدے سے وابستہ رہے جو عیسائی تصوف اور روحانیات و مقدس تعلیمات کی نشو و نما کے لیے وقف تھا۔ یہ رسالہ بعض سیاسی اور قومی مصالح بھی پیش نظر رکھتا تھا۔ ۱۹۲۳ء، ۲۵، ۲۶ اور ۱۹۲۹ء میں گینوں کی معرکۃ الآرا [illegible] منظر عام پر آئیں جو روایت اور مابعد الطبیعیات کے مباحث کو نمایاں کرتی تھیں لیکن روایت کے کسی خاص نظم و تنظیم اور کسی خاص مذہب کی برتری اور حقانیت کا قائل نہیں ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ تمام روایتوں کو ایک ہی درجے پر فائز سمجھتے تھے۔ یہ بات بھی سامنے آئی کہ وہ ہندی تخیل روایت کو عیسائی روایت سے برتر اور

افضل سمجھتے تھے جب کہ قرآن حکیم نے ابن عالم کا ذکر کرتے ہوئے واضح طور پر نصاریٰ یعنی عیسائی روایت کو ایک خاص اہمیت دی ہے۔ اس کے برعکس گینوں ہندو تہذیب کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گینوں نے مادام دینا نامی خاتون کے ساتھ اپنی آبائی جاگیر پر کچھ وقت گزارا اور اس کے ساتھ مصر ہجرت کا ارادہ کیا۔ ۵ مارچ ۱۹۳۰ء کو دونوں مصر چلے گئے۔ لیکن مادام دینا نے گینوں کو داغ دے دیا اور دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ ۱۹۳۱ء میں عربی مجلہ "المعرفۃ" میں گینوں نے مضامین لکھے اور شاذلی سلسلے کے بزرگ شیخ سلامہ کی مجالس میں حاضری دی۔ روحانی سفر کی ان منزلوں کے درمیان وہ بے گھری اور بے کلی کے مرحلوں سے نکل نہ سکے۔ لہٰذا وہ آخر دم تک مسلسل سگریٹ نوشی میں مبتلا رہے۔ ۱۹۳۱ء میں پہلی مرتبہ مصر میں انھوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور اپنا نام یحییٰ نور الدین استعمال کرنے لگے۔ وہ تبدیلی مذہب کو کسی مذہب کی دوسرے مذہب پر فضیلت کا عمل نہ سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں تمام مذاہب آفاقی روایت کا تسلسل ہیں لہٰذا ایک روایت کی دوسری روایت پر فضیلت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ تبدیلی مذہب محض روحانی سہولت کا معاملہ یا مسئلہ ہے اور یہ امر بھی ہر فرد کی انفرادی ترجیح ہے۔ وہ اس بات کے قائل نہ تھے کہ کوئی فائق ترین مذہب تمام دیگر مذاہب کی تنسیخ کرے۔ وہ صرف ازلی صداقت اور وحدت اصلی کی تلاش کے قائل تھے۔ جس کے نتیجے میں مذاہب کے مابین تمام اختلافات باقی نہ رہیں گے۔ گینوں اپنے اسلام کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ تبدیلی مذہب کا سوال نہیں بلکہ بہتر انداز میں روحانی تنظیم کا مسئلہ ہے۔ والاس جو گینوں کے پیر و مرشد تھے ان کی شہادت ہے کہ گینوں نے خود اسے مقبول کیا لیکن وہ ہر قسم کی تبلیغ و اشاعت کے خلاف تھے۔ گینوں کا خیال تھا کہ متشکک کا یہ مذہبی انسان مسلسل اسی طبعی صداقتوں کو سطحی سے قائم رکھے گا اور انہی کے مطابق زندگی گزارے گا۔ گینوں کے خیال میں متشکک کا انسان تمام مذہبی روایتوں کی مروجہ عبادات کی بعض صورتوں اور طور طریقوں کو اپنی مذہبی روایت میں بلا روک ٹوک [illegible] کرے گا۔ گینوں کے خیال میں روایت کی ایک امتیازی اور منظم ضابطہ بندی تک محدود ہونے کی منکر ہے۔ یہی تمام روایتی تعلیمات کا ظاہری پہلو ہے۔ اس کے باوجود گینوں کے خیال میں یہ شدید ضروری تھا کہ کسی ایک عظیم روایت پرست مذہب میں عملی طور پر شرکت کی جائے۔ بعد کے مباحث [illegible] مسالک و مشترکات کی ضابطہ بندی تو ثانوی اہمیت و حیثیت کی حامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا بھی برملا اظہار کرتے تھے کہ "یہ عادی تعلق بے معنی اور غیر متعلق ہیں کہ کوئی خاص روایت صداقت کی واحد امانت دار ہے۔ یہ ایسے دعوے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔" گینوں کے اسی نقطہ نظر کی توسیع روایت کے [illegible] سے وابستہ منظر کی [illegible] کتاب میں ملتی ہے جو کیمبل اکیڈمی نے شائع کی ہے اور یہ واضح ہے کہ [illegible] اچھا ہندو بن جائے، جو عیسائی ہے وہ اچھا عیسائی بن جائے، جیسا ممکن نہیں ہے۔ روحانی تبدیلی کے ذریعے ہی تبدیلی آئے گی وغیرہ وغیرہ گینوں قیام مصر کے دوران فرانسیسی جریدے LA VOILED SISI میں باقاعدگی سے لکھتے رہے۔ فری میسن کے جریدہ The Speculative Mason اور Cahiersdusud میں بھی کبھی کبھار مضامین لکھتے رہے۔

قیام مصر کے دوران ۱۹۳۰ء، ۳۲، ۳۵، ۳۶ء میں ان کی اہم تصانیف منظر عام پر آئیں۔ [illegible]

کلوں کا کائناتی چکر (Cosmic Cycle) کی بعض تعبیروں پر یقین رکھتے تھے جس میں ہر گردش ایک طویل
زوال کے بعد پچھلا چکر ختم ہو کر نیا چکر شروع ہوتا ہے۔ ان آفاقی تقسیمات میں سب سے جامع اور بڑا چکر KAI PA ہے
جس کی مثال موجودہ دنیا ہے۔ یہ چکر چودہ مانونتروں میں تقسیم ہے۔ موجودہ چکر میں ہم ساتویں مانونتر کے اختتام کے
قریب پہنچ رہے ہیں۔ اس نظام میں ہر مانونتر [illegible] سال کا ہے۔ صاحب کتاب کے ایک اور نظام کے تحت KALPA
کو ایک ہزار مہایگوں [illegible] میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں ہر یگ کی مدت [illegible] ہزار سال ہے۔ مہایگ [illegible]
چار یگوں میں تقسیم ہے۔ صاحب کتاب کے اس گورکھ دھندے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ مغربی تہذیب کا یہ چکر بھی ختم ہو گا
لہٰذا اس تہذیب کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا جائے اور اسے ناقابل شکست تہذیب سمجھ لیا جائے۔ کیوں کہ [illegible]
جا رہی ہے وہ صحیح قیامت کی [illegible]۔ اس ساعت کی آمد سے قبل مغربی تہذیب کی قیامت کو صبر و شکر سے برداشت کرنا
انسانیت اور خصوصاً امت مسلمہ کا مقدر ہے۔ ان افکار سے شناسائی کے باعث اس کتاب کی تدریس دارالعلوم کورنگی میں
ممنوع قرار پائی۔

تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ عسکری صاحب نے یہ کتاب تقی عثمانی صاحب کی فرمائش پر لکھی تھی ۱۹۸۲ء میں اس
کتاب کی اشاعت پر تبصرہ کرتے ہوئے تقی عثمانی صاحب نے البلاغ [illegible] محرم الحرام میں اس کا اظہار بھی کیا ہے
اس تبصرے میں انھوں نے یہ بھی لکھا تھا [illegible] اس کتاب کے مطالعے سے دینی مدارس کے
اساتذہ مغربی گمراہیوں کو سمجھ سکیں گے [illegible] یہ کتاب پڑھنی چاہیے جو مغرب سے واقف ہونا چاہتا ہے اس کتاب کو
دارالعلوم میں پڑھایا گیا۔ ہم دینی مدارس کے طلبہ و اساتذہ سے اس کتاب کے مطالعے کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔ اس
تبصرے میں تقی عثمانی صاحب نے اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ اگر یہ کتاب اس قدر اہمیت کی حامل تھی تو اس کی
تدریس گزشتہ ۲۳ تئیس برس سے دارالعلوم میں کیوں موقوف ہے؟ اگر یہ کتاب اس قدر اہمیت کی حامل تھی تو اسے وفاق
المدارس کے نصاب میں کیوں شامل نہیں کیا گیا جبکہ "اسلام اور جدید معیشت" کو وفاق کے نصاب میں باقاعدہ طور پر
شامل کرایا گیا۔ محمد حسن عسکری صاحب کے انتقال پر تقی عثمانی صاحب نے البلاغ ربیع الاول ۱۳۹۸ ہجری میں "میرے
بزرگ دوست محمد حسن عسکری" کے عنوان سے تعزیتی مضمون تحریر فرمایا تھا لیکن اس مضمون میں بھی [illegible]
گمراہیوں کا ذکر نہیں کیا گیا نہ ان اسباب پر روشنی ڈالی گئی جن کے باعث عسکری صاحب کی کتاب کی تدریس روک دی
گئی یہ سوال بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ اگر عسکری صاحب کی یہ کتاب اس قدر اہم تھی تو اسے مکتبہ دارالعلوم یا اس سے
وابستہ ادارہ اسلامیات اور دارالاشاعت نے کیوں شائع نہیں کیا [illegible] یہ کتاب پہلی
اور آخری بار ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی اس کے بعد آج تک اس کتاب کی اشاعت کی نوبت نہ آئی نہ ہی اس کتاب کا ترجمہ
انگریزی اور عربی میں کرایا گیا جب کہ تقی عثمانی صاحب کی ہدایت پر اس عرصے میں کچھ کتابوں کے تراجم ہوئے۔
دارالاشاعت تو ہندوستان کے جدیدیت پسند مفکر مولانا وحید الدین خان کی انگریزی کتابیں بھی شائع کر کے برآمد کر رہا ہے

مولانا سمیع الحق مدیر الحق نے [illegible] عسکری صاحب نے [illegible] اس کتاب کے بارے میں [illegible] یہ کتاب انھوں
نے خود مرتب کی [illegible] کی فرمائش پر تحریر نہیں کی [illegible] تقی عثمانی صاحب کی فرمائش پر تحریر کی
گئی درست نقطہ نظر نہیں ہے [illegible] عسکری صاحب نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ [illegible] ۱۹۲۷ء میں مصر چلے گئے اور
۱۹۵۲ء میں ان کی وفات ہوئی یہ دونوں تاریخیں غلط ہیں [illegible] ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے ۱۹۳۰ء میں مصر تشریف
لے گئے اور [illegible] جنوری ۱۹۵۱ء کو انتقال فرما گئے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ [illegible] کی تمام تصانیف عسکری صاحب کے
مطالعے [illegible] محمد حسن عسکری پر سلیم احمد کی کتاب ہے جس میں عسکری صاحب کی جانب سے مغرب کا
[illegible] کرنے کے نتائج [illegible] سلیم احمد لکھتے ہیں کہ عسکری صاحب جب مشرق و مغرب کے امتزاج کی
بات کرتے ہیں [illegible] عافیت کے [illegible]
کر کے عسکری صاحب ہمیں تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم مغربی نہیں ہیں [illegible] مغربی ادب پیدا کریں تو انجام موت، ہم [illegible]
[illegible] مشرقی ادب پیدا کریں تو [illegible] ہم مغرب [illegible] مشرق کی طرف [illegible]
[illegible] مغرب سے پہلے [illegible] یا اللہ ہم کیا کریں [illegible] یہ سوال عسکری صاحب کی زندگی میں ان سے
[illegible] عسکری صاحب کے
پاس اس سوال کا جواب [illegible] عسکری صاحب کے [illegible] کے بارے میں [illegible]
عسکری صاحب کے خیالات کو سمجھنے کے لیے [illegible] کا مطالعہ ضروری ہے۔ [illegible] نے تینوں سوالات کا جواب [illegible] دیا ہے کہ
مغرب کو [illegible] کا کام ہے مشرق کو قائم
رکھنے [illegible] عسکری صاحب [illegible] کا یہ جواب
معلوم [illegible] عسکری صاحب نے [illegible]
[illegible] عسکری صاحب کے سوالات کا جواب موجود تھا [illegible] عسکری صاحب [illegible]
[illegible] حقیقت یہی ہے [illegible] لاہور میں
عسکری صاحب کی کتابیں محفوظ ہیں [illegible] کتابیں محفوظ ہیں
اور [illegible] انگریزی [illegible] کی عربی کتاب [illegible]
موجود ہے [illegible] پہلے [illegible]
[illegible] کتاب [illegible]
[illegible] کتاب [illegible]
[illegible] کی حامل نہیں۔

[illegible] عسکری [illegible]

عسکری صاحب نے جدیدیت پر اپنی کتاب خود اپنی تحریک پر نہیں لکھی تھی بلکہ [illegible] صاحب کی فرمائش پر لکھی تھی۔ "[illegible] اپنے لکھنے والوں کی تحریروں کی مدد سے کوئی دو سو گمراہیوں کی فہرست مرتب کی تھی جو ہمارے یہاں رائج بھی ہو چکی ہیں اور جنہیں دور کیے بغیر انگریزی تعلیم پانے والوں کو دین کی باتیں سمجھائی جا سکتیں۔ یہ فہرست میں نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی"۔ [مکاتیب عسکری، ص ۔۔۔]

روایت کا تسلسل جدیدیت کی دوسری شکل ہے یا نہیں یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے لیکن یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ عسکری صاحب جدیدیت کے رد سے نکلنے اور تصوف کی دنیا میں داخل ہونے کے بعد جدیدیت کے بعض مظاہر سے چشم پوشی کر لیتے۔ مثلاً [illegible] اشرف علی تھانوی کی محبت اور مفتی محمد شفیع کی ملاقات کے باوجود وہ اپنے لکھوں کو رواج دیتے [illegible] اسلامی سے وابستہ [illegible] ان کی ذاتی زندگی بھی علوی جدیدیت سے محفوظ ہو سکی۔ مثلاً فکری سطح پر وہ اسلامی [illegible] کے قائل رہے اور [illegible] عالم اسلام کو نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ جبکہ مفتی محمد شفیع صاحب نے ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں اسلامی سوشلزم کے کفر کا فتویٰ جاری کیا تھا اور ان کو ووٹ دینا دینی فریضہ قرار دیا تھا۔ عملی سطح پر عسکری مرحوم مغربی موسیقی [illegible] سے اپنا ناطہ نہ توڑ سکے، موسیقی کی محفلوں کا خصوصی اہتمام کرتے تھے اور اس سے لطف اٹھاتے تھے۔ محمد حسن عسکری کے ۱۹۷۵ء کے خطوط جو عسکری صاحب کے آخری زمانے کے خطوط ہیں اس موقف کی تائید کرتے ہیں۔

"بھئی ریکارڈ کا نے تو اور بھی بہت سے ہیں۔ مگر آپ کو کیسے بھیجوں؟ کوئی جانے والا ملے تو آسانی ہو" [۱۹۷۵ء] "ان شاء اللہ آپ کے لیے استاد بندو خاں کے گانے ٹیپ کرانے کا انتظام اب ہو جائے گا۔ کوئی آ جائے تو چند دن پہلے اطلاع دیجیے گا"۔ [۱۹۷۵ء] "اگر آپ نے ٹیپ میں استاد امراؤ بندو خاں کے گانے بھروانے کی فرمائش کی تھی۔ میں اس فکر میں رہا کہ کوئی انتظام ہو جائے۔ ہمارے حلقے میں جو صاحب اس کام کے ماہر ہیں وہ بہت مصروف رہے ہیں اور ابھی مصروف رہیں گے۔ اس لیے فی الحال تو بندوبست نہیں ہو سکا۔ آپ کے جو ملاقاتی امریکہ جانے والے ہیں وہ تو غالباً جون میں وہاں چلے جائیں گے۔ اس وقت تک کام نہیں ہو سکتا۔ ان شاء اللہ آئندہ میں آپ کے لیے ٹیپ تیار کرا دوں گا۔ یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ جو ٹیپ لے گئے تھے وہ آپ کے کام آ رہا ہے"۔ [۱۹۷۵ء] "مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہاں امریکہ میں ٹیپ یا کیسٹ ملتے ہیں۔ پرسوں استاد بندو خاں مرحوم کی برسی منائی گئی۔ تقریباً ساری رات محفل چلتی رہی"۔ [۱۹۷۵ء] "مشکل یہ ہے کہ اب ریکارڈ ملتے کیسے ہیں! ہم تو صرف کلاسیکی موسیقی اور مذہبی ریکارڈ خریدتے ہیں"۔ [۱۹۷۵ء] عسکری صاحب نے مغرب کی گمراہیوں کے بارے میں بھی ایک سطر بھی نہیں لکھی، وہ انھیں راسخ العقیدہ عالم سمجھتے تھے۔

عسکری صاحب کی آخری تالیف و تصنیف "جدیدیت" ہے، غالباً ان تمام مباحث کے مطالعے کے باوجود اس کتاب کی اہمیت اپنی جگہ قائم رہتی ہے اور اس کا مطالعہ ہمیں مغرب کے بارے میں بعض اہم باتوں سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کتاب کا پہلا حصہ خصوصاً مطالعے کا مستحق ہے۔

ساحل کے لیے کچھ ایثار کیجیے

ساحل پاکستان کا واحد رسالہ ہے جس کی قیمت گزشتہ چند برسوں سے صرف دس روپے ہے۔ ساحل ایسے موضوعات پر تحریریں شائع کرتا ہے جو عالم اسلام میں اجنبی ہیں، اور ان موضوعات پر بہت کم لکھا جاتا ہے۔ یہ فکری موضوعات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اور علمی نوعیت کے ہیں جن کا خصوصی تعلق امت مسلمہ کے عروج و زوال سے ہے۔ یہ موضوعات وقتی، ہنگامی، سیاسی نوعیت کے نہیں ہیں۔ ساحل کے موضوعات ان مباحث سے بھی تعلق رکھتے ہیں جو دنیا کے ہر خطے میں موجود مسلمان اور غیر مسلموں کو یکساں طور پر درپیش ہیں۔ دنیا بھر میں مغربی فکر، سائنس اور ٹیکنالوجی سے مرعوبیت کی مخصوص فضا پائی جاتی ہے۔ الحمدللہ ساحل مغرب کی فکر، اس کی سائنس، ٹیکنالوجی اور اس کے غلبے سے ہرگز متاثر نہیں اور اسلام کو واحد حق اور قرآن کریم کو واحد کتاب سمجھتا ہے جس کے سامنے تمام ادیان باطل ہیں۔ مغربی تہذیب محض بہیمیت ہے اور اس کے خلاف علمی، فکری، تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ ہماری دینی تحریکیں اور شخصیات بھی مغربی غلبے سے متاثر ہیں۔ لہٰذا اس مرعوبیت کا خاتمہ بھی اہم ترین کام ہے۔ ساحل کے وسائل محدود ہیں لیکن الحمدللہ اس کے موضوعات لامحدود ہیں۔ ساحل ایک دینی رسالہ ہے اس لیے قارئین سے چندہ طلب نہیں کرتا، یہ رویہ اہل دین کے وقار کے منافی ہے۔ ساحل کی تقسیم و ترسیل کے سلسلے میں ہمیں بعض مشکلات کا سامنا ہے۔ اگر آپ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی اور معاونت کریں تو ہم ممنون ہوں گے۔ ساحل میں شائع ہونے والے مضامین کا تنقیدی جائزہ لینے کی شدید ضرورت ہے۔ آپ کے جائزے ہمیں اصلاح کا موقع فراہم کریں گے۔ ساحل کو قلمی تعاون کی شدید ضرورت ہے۔ کیونکہ بحیثیت مجموعی اس سے موتی چننا دریائے علم میں چند لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ ہمارا مقابلہ مغربی تہذیب سے ہے اور اس عالمگیر تہذیب کے مقابلے کے لیے کئی درجے کے کام کی ضرورت ہے۔ ہمیں ہر قدم پر آپ کے مشورے، دعا، تعاون، رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ساحل کے زیر اہتمام ہر شہر میں حلقہ ہائے مطالعہ قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، جہاں ہر ہفتے اہم کتابوں اور مباحث پر گفتگو اور تبادلہ خیال کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ ان حلقوں میں مرکزی موضوع فکر آخرت ہو اور ہر کتاب اور ہر گفتگو کی ایک نکتے پر مرکوز رہے۔ کراچی میں یہ تجربہ بہت طویل عرصے سے جاری ہے اور کامیاب ہے۔ آپ ساحل سے کس قسم کا تعاون کر سکتے ہیں؟ اس کا فیصلہ آپ پر منحصر ہے۔ بیرون ملک مقیم ادارے، کتب خانے ساحل کے طالب ہیں ہم رسالہ تو اعزازی طور پر دے سکتے ہیں لیکن ترسیل کے اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ رسالہ بھیجنا ممکن نہیں۔ تمام اہم کتب خانوں، اہل علم، اہم علماء کرام، مدارس، مساجد اور خانقاہوں کے بزرگوں تک یہ رسالہ پہنچانا نہایت ضروری ہے۔ اس ذیل میں آپ کے عملی تعاون کے بغیر ہمارے لیے اس امانت کو سر کرنا آسان نہیں۔ ساحل کو قلمی تعاون کی شدید ضرورت ہے۔ خصوصاً معاشرتی اور دعوتی موضوعات پر اہل قلم کا تعاون درکار ہے۔ منفرد اچھوتے موضوعات سے ہمیں آگاہ کرتے رہیے، معاشرتی مسائل کی طرف توجہ دلائیے تاکہ ہر موضوع کا تجزیہ کیا جا سکے۔ اپنی اپنی سطح پر تعاون کا سلسلہ جاری رکھیے اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم ہمارے لیے دعائے خیر اور صراط مستقیم پر ثابت قدمی کی دعا فرمائیے اور بے رحمی کے ساتھ ہمارا تنقیدی جائزہ لیتے رہیے۔